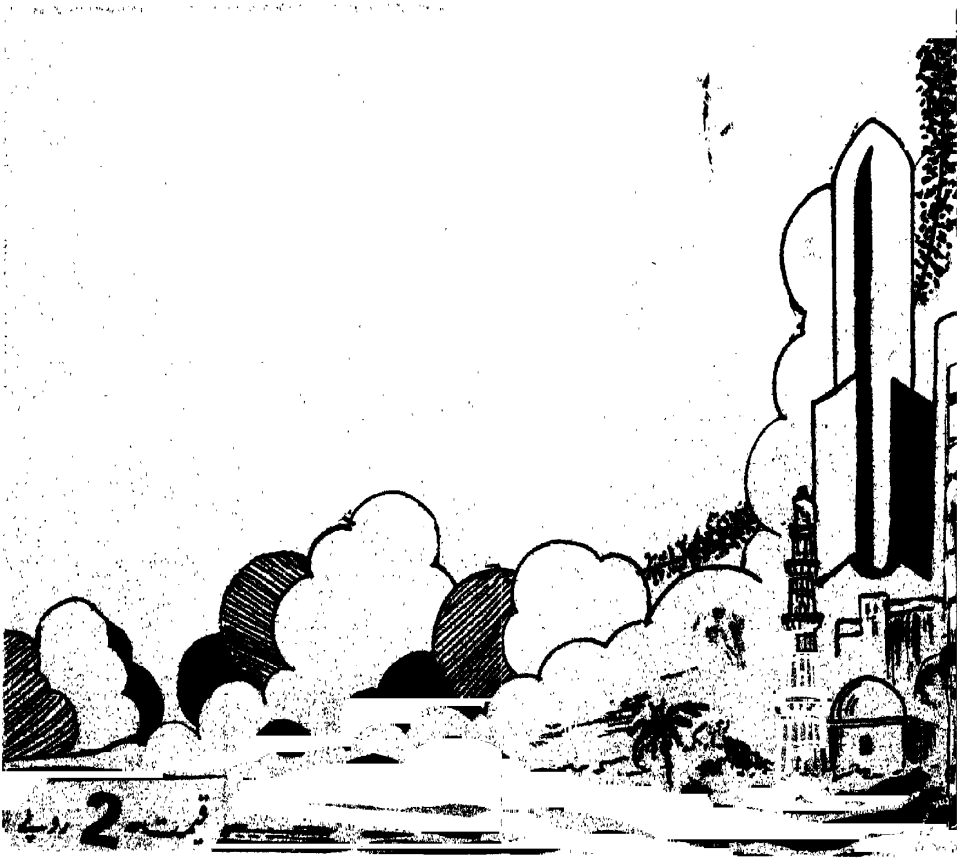
ماہنامہ

پندرہویں صدی

دہلی



درس وتدریس۔ طلباء کے والدین کی تربیت اور اخلاقی قدروں کا علمبردار "تعلیمی تربیتی ماہنامہ"

ماہنامہ پندرھویں صدی ہجری

ذی قعدہ ——— ۱۴۰۲ ہجری

مطابق

ستمبر ۱۹۸۲ء

اعزازی نگراں ——— مشکور علی صدیقی

چیف ایڈیٹر ——— ایم۔ اے۔ صدیقی

ایڈیٹر ——— ضیاء الرب خان

قیمت ——— دو روپے

سالانہ ممبر شپ ——— بیس روپے

ششماہی ممبر شپ ——— دس روپے

نوٹ: خصوصی نمبر ممبران کیلئے مفت

پندرہویں صدی

تعلیم و تجارت کا تربیتی جریدہ

ششماہی چندہ :- دس روپے * سالانہ چندہ : بیس روپے

جلد نمبر ۱

شمارہ نمبر ۹

فہرست مضامین

اداریہ

بےداری

تعلیم یافتہ حلقے میں اس وقت بے چینی کے ساتھ مسلمانوں کی تعلیمی پستی کو دور کرنے کا رجحان ابھر رہا ہے۔ وہ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ اس پستی کا علاج یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے بچوں کو انگلش میڈیم اسکولوں میں پڑھائیں اور اپنی جمع شدہ پونجی کا بڑا حصہ برباد کر کے بھی اپنے بچوں کو تعلیم نہ دلا سکیں۔ تعلیم یافتہ سرمایہ دار خاص طور اور غیر تعلیم یافتہ عام طور سے یہ سمجھ رہا ہے کہ بچہ انگلش میڈیم اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ دیکھا دیکھی غریب عوام کا ذہن بھی اسی قسم کا بنتا جا رہا ہے، لیکن مشاہدات اور تجربات کی روشنی میں جو تجزیہ کیا گیا ہے اس سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ مسلم سماج کے انگلش میڈیم اسکولوں میں پڑھنے والے بچے بمشکل تمام دو تین فیصد اعلیٰ تعلیم کی منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ یہ وہی بچے ہوتے ہیں جو ذہین ہیں اور جن پر والدین بھرپور توجہ دیتے ہیں ان کی کوچنگ کا خاص خیال رکھتے ہیں اور اسکولوں کی ہدایت کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ باقی بچے چار پانچ کلاس تک پہنچتے پہنچتے کچھ تعلیم چھوڑ دیتے ہیں اور کچھ اردو میڈیم اسکولوں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ انگلش میڈیم اسکولوں میں ان ہی والدین کے بچے کامیاب ہوتے ہیں جن کے گھروں میں انگلش "ذریعہ" بول چال ہے اور انگلش ماحول رچا بسا ہے۔

دوسرا اہم تجزیہ یہ کیا گیا ہے کہ مسلم سماج کے بچوں کی بہترین تعلیم و تربیت ان ہی موجودہ اردو میڈیم اسکولوں کے ذریعہ ہی ممکن ہے بشرطیکہ ان اسکولوں میں والدین اسی طرح فراخدلی سے چندہ دیکر ان کی ضروریات پوری کریں جس طرح وہ ہزاروں روپیہ انگلش میڈیم اسکولوں میں چندہ دیتے ہیں اور اپنے بچوں پر اتنی ہی توجہ کو چنگ پر کریں اور اتنا ہی روپیہ ان کے پڑھانے پر صرف کریں جتنا وہاں کرتے ہیں تو مسلم بچے بھی اپنی ذہانت کا سکہ جما سکتے ہیں۔ ان بچوں میں ذہانت کی کمی نہیں ہے صرف وسائل کی کمی ہے

نیو دہلی کی کالونیوں میں رہنے والے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں میں یہ احساس شدت سے پیدا ہو رہا ہے کہ اولڈ دہلی کے اردو میڈیم اسکولوں کو اس قابل بنایا جائے کہ ذہین بچے پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں اور اس مایوسی کو ختم کر سکیں جو مدت سے پھیلی ہوئی ہے۔ اسی قسم کا قدم ہندوستان کے ہر علاقہ میں اٹھایا جائے

ہمارے نمائندے نے کالونیوں میں جا کر بہت سے لوگوں سے تبادلۂ خیال کیا جس سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ تعلیمی میدان میں زبانی جمع خرچ کے علاوہ ابھی تک کسی قسم کا فیلڈ ورک نہیں ہوا ہے جس کے ذریعہ عوام کو تعلیم کی اہمیت اور طریقۂ کار کا احساس ہوتا ہے۔ ضرورت ہے کہ اولڈ دہلی نہیں ہندوستان کے ہر علاقے میں کچھ سرپھرے تعلیم یافتہ لوگ گھر گھر جا کر تعلیم کی اہمیت کا احساس دلائیں اور انہیں بتائیں کہ انہیں اپنے بچوں کو تعلیم دلانے کے لئے مندرجہ ذیل کام کرنے ہیں۔

(۱) بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلانا آج کا اہم ضرورت ہے (۲) کاروبار کی طرح بچوں کی تعلیم و تربیت پر بھی پوری توجہ دینا ضروری ہے (۳) بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے اپنے اداروں میں ہر قسم کا بہترین تعلیمی سامان فراہم کرنا فرض اولین ہے (۴) دہلی اور ہندوستان میں اپنی تعلیمی تربیت گاہوں کو سنوارنا سب سے اہم کام ہے (۵) والدین کو اس کا احساس دلانا بھی ضروری ہے کہ وہ اسکولوں میں ہونے والی پیرنٹس کی میٹنگوں میں لازماً شریک ہوں۔

ادارہ "ماہ نامہ پندرھویں صدی" ان تمام حضرات سے درخواست کرتا ہے کہ وہ لوگ جو تعلیمی میدان میں کام کرنے کی پرخلوص خواہش رکھتے ہیں اپنے مشورہ سے مطلع فرمائیں۔ اور کام کرنے کے طریقے۔ اپنی اپنی تجاویز کنوینر مجلس تعلیم و تربیت ماہنامہ پندرھویں صدی ۱۰۵۹ گلی راجان فراشخانہ دہلی کو بھیجیں تاکہ ان کی تجاویز پر تعلیمی ایڈوائزری بورڈ غور کر کے ان کو عملی شکل دینے میں کامیاب ہو سکے اپنا نام اور مکمل پتہ اپنی تجویز کے ساتھ ضرور تحریر فرمائیں۔ ادارہ اس تعاون کے لئے آپ کا شکرگزار ہوگا تعلیمی سلسلہ میں رابطہ رکھ کر تعلیمی کام کو آگے بڑھائیے انشاء اللہ کامیابی قدم چومے گی۔

بچہ ملک و قوم کی امانت ہے کل کا محافظ ہے

اسے اعلیٰ تعلیم دلا کر اپنا فرض نبھائیے

سرسید تحریک

پھر ایک سرسید کی ضرورت ہے

ڈاکٹر ایم۔ اے ساجد کھام گاؤں (بلڈانہ)

سر سید احمد خاں کی علی گڑھ تحریک ایک مستحکم پائیدار اور عملی تحریک تھی جس نے صحیح معنوں میں مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگا کر کھوئی ہوئی منزل کا پتہ بتایا۔ جس زمانے میں علی گڑھ تحریک زور پکڑ رہی تھی علاقہ ودربھ دکن کے زیر اثر تھا اور اسے برار کے نام سے بھی شہرت حاصل تھی تعلیمی اور ادبی طور پر ودربھ بھی دیگر علاقوں کی طرح پسماندگی اور قدامت پرستی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ یہ علاقہ ۱۸۵۷ء سے ۱۹۰۹ء تک پسماندگی کا شکار رہا، برائے نام چند خانگی درسگاہیں تھیں جہاں عربی کے ساتھ اردو عربی اور فارسی کی تعلیم دی جاتی تھی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے شمالی ہند کا رخ کرنا پڑتا تھا جو ایک دقت طلب مرحلہ تھا۔

ایسے انحطاطی اور مشکل دور میں سرسید تحریک نے ایک اہم کردار ادا کیا۔ علمی و ادبی اندھیرے کو اپنی انتھک کوششوں سے اجالا بخشا۔ تن مردہ میں ایک نئی روح پھونکی علی گڑھ یونیورسٹی کا قیام، رسالہ تہذیب اخلاق کا اجراء، سائنٹفک سوسائٹی کا قیام، رسالہ خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان ہند کی تشکیل اور دیگر علمی، ادبی و عملی سرگرمیوں نے ہندوستان کے دیگر صوبوں کو کافی متاثر کیا۔ اور علمی دنیا کی طرف گامزن کیا ان تحریکات کے زیر اثر جدید تعلیم کی افادیت کا عام چرچا ہوا۔

اس فعال تحریک سے ۱۸۸۴ء میں اہل دکن متاثر ہوئے۔ اس تحریک کے زیر اثر اردو کالج اور مدارس کھلے جن میں جدید تعلیم کو داخل نصاب کیا گیا۔ دوسری زبانوں کے تراجم اردو زبان میں کئے گئے، روزانہ، ہفت روزہ ہوار اخبارات، رسل و رسائل اور جرائد شائع ہونے لگے مسلمانوں کی تعلیم کی طرف پوری توجہ صرف کی جانے لگی علمی و ادبی کاموں کو تیزی سے وسعت ملنے لگی۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد ڈالی گئی۔ اس کی تشکیل مسلمانان ہند کے تن مردہ میں نئی روح پھونکنے کے مترادف تھی۔ اس کانفرنس کا قیام مسلمانوں کی تعلیم کا ضامن بن گیا۔ اس ضمن میں پاپولر ایجوکیشن سوسائٹی ایوت محل کے سکریٹری محمد جعفر صاحب "یادرفتگاں" میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔ "یادرفتگاں" سے "سرسید احمد خاں کی تحریک کا اثر ہندوستان کے مختلف اضلاع اور مختلف مقامات پر مثبت انداز میں پڑا۔ ہر جگہ انفرادی طور پر درد مند مسلمانوں نے اپنی قوم کی حالت سدھارنے کی کوشش کی۔

سب سے پہلے تعلیم کی طرف توجہ دی گئی اس سلسلہ میں کبھی کبھی تو حکومت وقت کو مجبور کیا گیا کہ وہ مقامی ضرورت کو پورا کرے یا پھر اجتماعی کوشش کی گئی کہ حکومت کی امداد و اعانت کے بغیر تعلیمی ادارے جاری کئے جائیں۔ علی گڑھ

کی ہمہ گیری سے متعلق غلام سرور صاحب ماہنامہ "نگار" میں ایک جگہ لکھتے ہیں :-

"علی گڈھ تحریک کے علاوہ اور کہیں ہمیں تحریک کی شکل میں کوئی ادبی کوشش نہیں ملتی، ادبی تحریک ایک بڑی ادبی، اصلاحی، معاشرتی اور تعلیمی تحریک تھی جس نے سارے ہندوستان کو متاثر کیا اور اردو ادب کو زندگی بخشی، اور اردو شاعری کو موضوع دیئے اور اردو نثر کو اسلوب عطا کیا"

(صفحہ ۲۲، دسمبر ۱۹۵۰ء)

چنانچہ سرسید تحریک کے ملک گیر اثرات نے ودربھ کے رہنمایان قوم کو تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ قوم کی بھلائی کے لئے اکسایا۔ اور ودربھ کے آٹھوں اضلاع میں جدید تعلیم کا دور شروع ہوا۔ اہل ودربھ جو برسوں سے قدامت پرستی کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھے تھے اس زبردست تحریک کی آواز پر اٹھ کھڑے ہوئے اور پورے ودربھ میں اپنی پوری مقدور بھر کوشش سے تعلیمی ادارے قائم کئے، سوسائٹیاں قائم کیں، سیاست میں اپنا ایک پلیٹ فارم بنایا۔ ادب میں نئے حوصلے اور عزائم سے آگے بڑھ کر اپنی ایک انفرادیت قائم کی اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی صف میں اپنا مقام بنانے میں کامیاب ہوئے۔

اس بروقت آگاہی اور صحیح وقت پر جگائے جانے کے لئے سرسید احمد خاں کی اعلیٰ ترین خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

سرسید احمد تحریک کا اثر نہ صرف شمالی ہندوستان بلکہ جنوب و اطراف میں بھی پڑا۔

آج بھی ہندوستانی مسلمان اسی طرح خواب غفلت کا شکار ہے اس غفلت کو ختم کرنے کے لئے پھر ایک سرسید کی ضرورت ہے۔ اور ہندوستانی مسلمانوں کو اس طرح کام کرنا پڑے گا جس طرح سرسید تحریک کے ساتھ وابستہ لوگوں نے کام کیا تھا جب ہی خواب غفلت میں پڑی ہوئی قوم بیدار ہو کر علم کی دولت سے سرفراز ہوگی اور ملک و قوم

قارئین سے ضروری گذارش

جن خریدار حضرات کا سالانہ خریداری چندہ اس پرچہ کی روانگی کے بعد ختم ہوگیا ہے یا ختم ہونے والا ہے اُن سے گذارش کی جاتی ہے کہ وہ فوری طور پر اپنے محبوب میگزین۔ "پندرہویں صدی" کے لئے دس روپے ششماہی خریداری چندہ (یا اس سے زائد جتنا بھی روانہ کر سکتے ہوں) بذریعہ منی آرڈر پوسٹل آرڈر۔ بنام منیجر "پندرھویں صدی" آج ہی ارسال فرماکر تجدید خریداری فرمالیں پتہ 1059 اگلی راجیان دہلی

رقم بھیجتے وقت

خریداری نمبر

لکھنا نہ بھولئے

ایجنٹ صاحبان سے بھی التماس ہے کہ وہ آئندہ شمارے کے لئے اپنا آرڈر اور رقوم ارسال کرکے ممنون فرمائیں۔ اور مشتہرین حضرات بھی اپنے سالانہ اشتہارات کے صفحات کی تجدید و تصدیق فرماکر شکر گذار فرمائیں

مدیر

مولانا وحید الدین خاں

کامیابی نے قدم چومے

اتنی عقل جانور کو بھی ہوتی ہے

رآن میں آدم کے دو بیٹوں کا ایک واقعہ بیان ہوا ہے بھائی نے غصہ میں آکر دوسرے بھائی کو قتل کر دیا۔ یہ ان کے قتل کا پہلا واقعہ تھا۔ قاتل کی سمجھ میں نہ آتا تھا پنے بھائی کی لاش کو کیا کرے۔ اس وقت اللہ نے ایک بھیجا۔ اس نے مرے ہوئے کوے کو اس کے سامنے "دفن" اس نے اپنی چونچ اور پنجے سے زمین کھودی اور مردہ ے کو اس کے اندر رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی۔ یہ دیکھ کر ں بولا۔ افسوس ہے مجھ پر میں اس کوے جیسا بھی نہ سکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو زمین میں چھپانے کی تدبیر ا (مائدہ) یہ نسل انسانی کے ابتدائی زمانہ کا واقعہ ں وقت سے اب تک برابر ہو رہا ہے کہ وہ حیوانات ے کسی حیوان کو "بھیج کر" ہم کو ہماری زندگی کے بارے سبق دیتا ہے۔ مگر انسان مشکل سے ہی ایسا کرتا ہے وہ اس قسم کے واقعات سے اپنے لئے سبق لے۔ یہاں ا پرندے کا واقعہ نقل کیا جاتا ہے جس میں ہمارے آدم لئے بہت بڑا سبق ہے۔

ابابیل نے چھت کی لکڑی میں گھونسلا بنایا۔ گھونسلا ی کا تھا۔ نر اور مادہ دونوں تھوڑا تھوڑا گیلی مٹی اپنی نچ میں لاتے اور اس سے گھونسلے کی تعمیر کرتے۔ لگاتار نت کے بعد چند دن میں گھونسلا تیار ہو گیا۔ اب ابابیل نے ں کے اندر انڈے دیئے۔ ایک روز ابابیل کا جوڑا گھونسلے بیٹھا ہوا تھا، چار انڈے اور دو ابابیلوں کا بوجھ گھونسلے لئے ناقابل برداشت ثابت ہوا اور وہ لکڑی سے چھوٹ کر گر پڑا۔ انڈے ٹوٹ کر برباد ہو گئے۔ اس کے بعد دیکھنے ں نے دیکھا کہ دونوں ابابیلیں پوری چھت میں چاروں طرف اڑ رہی ہیں۔ وہ چھت کی لکڑیوں میں اپنے اگلے گھونسلے کے لئے زیادہ جگہ تلاش کر رہی تھیں۔ بالآخر انہوں نے اپنے لئے ایک ایسی جگہ پائی جو غیر ہموار ہونے کی وجہ سے گھونسلے کو زیادہ سنبھال سکتی تھی۔

پہلی بار ابابیلوں نے خالی مٹی کا گھونسلہ بنایا تھا اب دوسری بار انہوں نے جو مٹی لانی شروع کی اس میں گھاس ملی ہوئی تھی۔ پہلے تجربہ کے بعد انہوں نے صاف گارے کو ناکافی پایا تو انہوں نے گھاس ملے ہوئے گارے سے گھونسلا بنانا شروع کیا۔ گویا پہلے اگر خالی مٹی تھی تو اب آہن بستہ (Reinforced) مٹی گھونسلے کے لئے منتخب کی گئی

نتیجہ ظاہر ہے گھونسلہ زیادہ مضبوط اور جما ہوا تھا اور وہ اپنی جگہ پر قائم ہو گیا اور اس میں جو انڈے دیئے گئے وہ محفوظ رہے یہاں تک کہ ان میں بچے اپنی ماں کے ساتھ اڑ کر فضا میں غائب ہو گئے۔ یہ واقعہ خورشید احمد بسمل صاحب (پیدائش ۱۹۴۷ء) کے اپنے مکان کا ہے جو محلہ منڈی راجوری کے رہنے والے ہیں انہوں نے ۹ ستمبر ۱۹۷۹ء کو اپنا مذکورہ کمرہ دکھایا اور مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا

جانور کی کوشش

اگر ناکام ہو جائے تو دوسری کوشش سے پہلے وہ یہ معلوم کرتا ہے کہ اس کے عمل میں کون سی کمی تھی جس نے اس کے منصوبہ کو ناکام بنا دیا اور پھر زیادہ کامل منصوبہ کے تحت دوسری تعمیر کرتا ہے۔ مگر ہمارا "آشیانہ" گرتا رہتا ہے اور ہم کو احساس تک بھی نہیں ہوتا کہ اپنی کمی کو معلوم کر کے زیادہ مضبوط تعمیر کا منصوبہ بنائیں۔

ناہمہ گیری سے متعلق غلام سرور صاحب ماہنامہ "نگار" میں ایک جگہ لکھتے ہیں :-

"علی گڑھ تحریک کے علاوہ اور کہیں ہمیں تحریک کی شکل میں کوئی ادبی کوشش نہیں ملتی، ادبی تحریک ایک بڑی ادبی، اصلاحی، معاشرتی اور تعلیمی تحریک تھی جس نے سارے ہندوستان کو متاثر کیا اور اردو ادب کو زندگی بخشی، اور اردو شاعری کو موضوع دیئے اور اردو نثر کو اسلوب عطا کیا۔"
(صفحہ ۲۲، دسمبر ۱۹۵۰ء)

چنانچہ سرسید تحریک کے ملک گیر اثرات نے دور بعد کے بھی رہنمایان قوم کو تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ قوم کی بھلائی کے لئے اکسایا۔ اور دور بعد کے آٹھوں اضلاع میں جدید تعلیم کا دور شروع ہوا۔ اہل دور بعد جو برسوں سے قدامت پرستی کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھے تھے اس زبردست تحریک کی آواز پر اٹھ کھڑے ہوئے اور پورے دور بعد میں بھی پوری منفرد کوشش سے تعلیمی ادارے قائم کئے، سوسائٹیاں قائم کیں، سیاست میں اپنا ایک پلیٹ فارم بنایا۔ ادب میں نئے حوصلے اور عزائم سے آگے بڑھ کر اپنی ایک انفرادیت قائم کی اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی صف میں اپنا مقام بنانے میں کامیاب ہوئے۔

اس بروقت آگاہی اور صحیح وقت پر جگائے جانے کے لئے سرسید احمد خاں کی اعلیٰ ترین خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

سرسید احمد تحریک کا اثر نہ صرف شمالی ہندوستان بلکہ جنوب و اطراف میں بھی پڑا۔

آج بھی ہندوستانی مسلمان اسی طرح خواب غفلت کا شکار ہے اس غفلت کو ختم کرنے کے لئے پھر ایک سرسید کی ضرورت ہے۔ اور ہندوستانی مسلمانوں کو اس طرح کام کرنا پڑے گا جس طرح سرسید تحریک کے ساتھ وابستہ لوگوں نے کام کیا تھا جب ہی خواب غفلت میں پڑی ہوئی قوم بیدار ہو کر علم کی دولت سے سرفراز ہوگی اور ملک و قوم

قارئین سے ضروری گذارش

جن خریدار حضرات کا سالانہ خریداری چندہ اس پرچہ کی روانگی کے بعد ختم ہوگیا ہے یا ختم ہونے والا ہے اُن سے گذارش کی جاتی ہے کہ وہ فوری طور پر اپنے محبوب میگزین "پندرھویں صدی" کے لئے دس روپے ششماہی خریداری چندہ (یا اس سے زائد جتنا بھی روانہ کر سکتے ہوں) بذریعہ منی آرڈر پوسٹل آرڈر۔ بنام منیجر "پندرھویں صدی" آج ہی ارسال فرما کر تجدید خریداری فرمالیں پتہ 1059 اگلی راجان دہلی

رقم بھیجتے وقت

خریداری نمبر

لکھنا نہ بھولئے

ایجنٹ صاحبان سے بھی التماس ہے کہ وہ آئندہ شمارے کے لئے اپنا آرڈر اور رقوم ارسال کر کے ممنون فرمائیں۔ اور مشتہرین حضرات بھی اپنے سالانہ اشتہارات کے صفحات کی تجدید و تصدیق فرما کر شکرگذار فرمائیں ——— مدیر

ماہنامہ : پندرھویں صدی

ہندوستان کا مقبول ترین جریدہ ہے
جو بچوں کی تعلیم و تربیت میں والدین
کو مفید مشورے دیتا ہے نیز تجارت
کو فروغ دینے کیلئے مضامین شائع کرتا ہے

مولانا وحیدالدین خاں

کامیابی نے قدم چومے

اتنی عقل جانور کو بھی ہوتی ہے

قرآن میں آدم کے دو بیٹوں کا ایک واقعہ بیان ہوا ہے ایک بھائی نے غصہ میں آکر دوسرے بھائی کو قتل کر دیا۔ یہ انسان کے قتل کا پہلا واقعہ تھا۔ قاتل کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیا کرے اس وقت اللہ نے ایک کوا بھیجا۔ اس نے مرے ہوئے کوے کو اس کے سامنے "دفن" کیا۔ اس نے اپنی چونچ اور پنجے سے زمین کھود دی اور مردہ کوے کو اس کے اندر رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی۔ یہ دیکھ کر قاتل بولا۔ افسوس ہے مجھ پر میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو زمین میں چھپانے کی تدبیر کرتا (مائدہ) یہ نسل انسانی کے ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے اس وقت سے اب تک برابر یہ ہو رہا ہے کہ وہ حیوانات میں سے کسی حیوان کو "بھیج کر" ہم کو ہماری زندگی کے بارے میں سبق دیتا ہے۔ مگر انسان مشکل سے ہی ایسا کرتا ہے کہ وہ اس قسم کے واقعات سے اپنے لئے سبق لے۔ یہاں ایک پرندے کا واقعہ نقل کیا جاتا ہے جس میں ہمارے لئے بہت بڑا سبق ہے۔

ابابیل نے چھت کی لکڑی میں گھونسلا بنایا۔ گھونسلا مٹی کا تھا۔ نر اور مادہ دونوں تھوڑا تھوڑا گیلی مٹی اپنی چونچ میں لاتے اور اس سے گھونسلے کی تعمیر کرتے۔ لگاتار محنت کے بعد چند دن میں گھونسلا تیار ہو گیا۔ اب ابابیل نے اس کے اندر انڈے دیئے۔ ایک روز ابابیل کا جوڑا گھونسلے پر بیٹھا ہوا تھا، چار انڈے اور دو ابابیلوں کا بوجھ گھونسلے کے لئے ناقابل برداشت ثابت ہوا اور وہ لکڑی سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔ انڈے ٹوٹ کر برباد ہو گئے۔ اس کے بعد دیکھنے والوں نے دیکھا کہ دونوں ابابیلیں پوری چھت میں چاروں طرف اڑ رہی ہیں۔ وہ چھت کی لکڑیوں میں اپنے اگلے گھونسلے کے لئے زیادہ جگہ تلاش کر رہی تھیں۔ بالآخر انہوں نے اپنے لئے ایک ایسی جگہ پائی جو غیر ہموار ہونے کی وجہ سے گھونسلہ کو زیادہ سنبھال سکتی تھی۔

پہلی بار ابابیلوں نے خالی مٹی کا گھونسلہ بنایا تھا اب دوسری بار انہوں نے جو مٹی لانی شروع کی اس میں گھاس ملی ہوئی تھی۔ پہلے تجربہ کے بعد انہوں نے صاف گارے کو ناکافی پایا تو انہوں نے گھاس ملے ہوئے گارے سے گھونسلا بنانا شروع کیا۔ گویا پہلے اگر خالی مٹی تھی تو اب آہن بستہ (Reinforced) مٹی گھونسلے کے لئے منتخب کی گئی

نتیجہ ظاہر ہے گھونسلہ زیادہ مضبوط اور جما ہوا تھا اور وہ اپنی جگہ پر قائم ہو گیا اور اس میں جو انڈے دیئے گئے وہ محفوظ رہے یہاں تک کہ ان میں بچے اپنی ماں کے ساتھ اڑ کر فضا میں غائب ہو گئے۔ یہ واقعہ خورشید احمد بسمل صاحب (پیدائش ۱۹۴۷ء) کے اپنے مکان کا ہے جو تحصیل منڈی راجوری کے رہنے والے ہیں انہوں نے ۹ ستمبر ۱۹۷۹ء کو اپنا مذکورہ کمرہ دکھایا اور مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا — جانور کی کوشش اگر ناکام ہو جائے تو دوسری کوشش سے پہلے وہ یہ معلوم کرتا ہے کہ اس کے عمل میں کون سی کمی تھی جس نے اس کے منصوبہ کو ناکام بنا دیا اور پھر زیادہ کامل منصوبہ کے تحت دوسری تعمیر کرتا ہے۔ مگر ہمارا "آشیانہ" گرتا رہتا ہے اور ہم کو احساس تک بھی نہیں ہوتا کہ اپنی کمی کو معلوم کرکے زیادہ مضبوط تعمیر کا منصوبہ بنائیں۔

جھگڑے سے بچ کر

دو کسانوں کے کھیت ملے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان ایک مینڈ کا جھگڑا ہو گیا۔ ہر ایک کہتا تھا کہ مینڈ میری ہے دونوں کھیت کی مینڈ پر لڑ گئے۔ یہ جھگڑا پہلے "مینڈ" کا تھا پھر وہ "ساکھ" کا مسئلہ بن گیا۔ ہر ایک کو دکھائی دینے لگا کہ مینڈ سے ہٹنا لوگوں کی نظر میں اپنے آپ کو بے عزت کرنا ہے۔ چنانچہ جھگڑا بڑھتا رہا۔ وہ یہاں تک بڑھا کہ دونوں طرف قتل ہوئے، کھیت کاٹے گئے دونوں نے ایک دوسرے کی چیزیں جلائیں اس کے بعد معاملہ اور بڑھا۔ وہ پولیس اور عدالت کا معاملہ بن گیا۔ مقدمہ بازی کا لمبا سلسلہ جاری ہو گیا۔ یہ مقدمات ۲۰ سال بعد صرف اس وقت ختم ہوئے جب کہ ان کے کھیت باغ، زیورات سب بک گئے۔ ایک معمولی مینڈ کو پانے کے لئے دونوں نے اپنا سب کچھ کھو دیا۔

یہی مینڈ کا جھگڑا ایک اور کسان کے ساتھ پیدا ہوا۔ مگر اس نے فوری اشتعال کے تحت کارروائی کرنے کے بجائے اس پر غور کیا۔ سمجھدار لوگوں سے مشورے کئے آخرکار اس کی سمجھ میں یہ آیا کہ مینڈ کا جھگڑا مینڈ پر طے نہیں ہوتا۔ جھگڑے کو طے کرنے کی جگہ دوسری ہے یہ سوچ کر اس نے جھگڑے کی مینڈ چھوڑ دی۔

اس نے یہ کیا کہ مسئلہ پر "آج" سے سوچنے کے بجائے "پیچھے" سے سوچنا شروع کیا۔ مینڈ کے واقعہ سے اس کے دل کو بھی چوٹ لگی۔ اس کو بھی اپنے نقصان اور اپنی بے عزتی سے وہی تکلیف ہوئی جو ہر انسان کو ایسے وقت پر ہوتی ہے۔ مگر اس نے اپنے جذبات کو تھاما فوری جوش کے تحت کارروائی کرنے کے بجائے سوچ سمجھ کر اقدام کرنے کا فیصلہ کیا۔

میرے حریف کو میری مینڈ پر قبضہ کرنے کی جرأت ہی کیوں ہوئی اس سوال پر غور کرتے کرتے وہ اس رائے پر پہنچا کہ اس کی وجہ حریف کے مقابلہ میں میری کمزوری ہے میرا اور حریف کا اصل معاملہ مینڈ کا معاملہ نہیں ہے بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ میری پوزیشن میرے حریف کے مقابلے میں اتنی زیادہ نہیں کہ وہ مجھ سے دبلے اور میری حدود پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ کرے۔ ٹھنڈے ذہن سے سوچنے کے بعد اس کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ اگر وہ اپنی طاقت اور حیثیت کو بڑھا لے تو وہ زیادہ بہتر طور پر اپنے حریف کے مقابلے میں کامیاب ہو سکتا ہے کیوں کہ اس کے بعد اس کے حریف کو اس کے اوپر دست اندازی کی جرأت ہی نہ ہوگی۔

اب اس نے اپنے کھیتوں پر پہلے سے زیادہ محنت شروع کر دی جو طاقت وہ حریف کو برباد کرنے میں لگاتا اسی طاقت کو اس نے خود اپنی تعمیر میں لگانا شروع کر دیا اس نئی فکر نے اس کے اندر نیا حوصلہ جگا دیا۔ وہ نہ صرف اپنے کھیتوں میں زیادہ محنت کرنے لگا بلکہ کھیتی کے ساتھ کچھ اور قریبی کاروبار بھی شروع کر دیا۔ اس کے نئے شعور کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے اپنی زندگی کو از سر نو منظم کیا وہ خرچ کو کم کرنے اور آمدنی کو بڑھانے کے اصول پر سختی سے عمل کرنے لگا۔ اسی کے ساتھ اپنے بچوں کو تعلیم کی راہ پر لگا دیا اس نے طے کر دیا کہ اپنے ہر بچے کو اعلیٰ مرحلہ تک تعلیم دلائے گا۔

اس دوسرے شخص کو بھی اپنی کوششوں میں اسی طرح ۲۰ سال لگ گئے جس طرح پہلے شخص کو ۲۰ سال لگے تھے مگر پہلے شخص کے لئے ۲۰ سال بربادی کے ہم معنی تھا جب کہ دوسرے شخص کے لئے ۲۰ سال آبادی کے ہم معنی بن گیا اس ۲۰ سال میں اس کے بچے پڑھ لکھ کر اچھے عہدوں پر پہنچ چکے تھے۔

اس نے اپنی کھیتی اتنی بڑھالی تھی کہ اس کے یہاں ہل بیل کے بجائے ٹریکٹر چلنے لگا تھا۔ جس کسان سے اس کا مینڈ کا جھگڑا ہوا تھا اس کا وہ پورا کھیت اس نے مینڈ سمیت خرید لیا۔

جس آدمی نے مینڈ کا جھگڑا مینڈ پر طے کرنے کی

بقیہ صفحہ ۴۳

انقلاب زمانہ

مشکور علی صدیقی

لوگ بھی کتنے بے وقوف ہوتے ہیں کہ اپنی خون پسینے کی کمائی اور جمع رقم کو کتنی بے دردی اور بے باکی سے خرچ کرتے ہیں اور بعد میں کفِ افسوس ملتے ہیں۔ اپنے پیر میں خود کلہاڑی مارتے ہیں یہ پیر کٹ جاتا ہے تو رو دیتے ہیں۔

دولت بھی کیسی اندھی ہے کہ جس کے گھر میں جاتی ہے انبار لگ جاتے ہیں "خدا جس کو دیتا ہے چھپر پھاڑ کر دیتا ہے" چھپر کا زمانہ تو شہروں سے ختم ہو گیا اب تو چھتیں پھاڑ کر دیتا ہے۔ آدمی ایک رات میں امیر اور ایک رات میں مفلس ہو جاتا ہے۔

بڑے بڑے عظیم المرتبت شہنشاہوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ دلی کے تاجداروں کا اندازہ اس شعر سے کیا جا سکتا ہے؎

دلی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انہیں
تھا کل تلک دماغ جنہیں تخت و تاج کا

بس اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خداوند تعالیٰ بغیر کسی وارننگ کے دولت کو چھین لیتے ہیں اور دردر سے محتاج کر دیتے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کے بٹوارے کے وقت کیا کچھ نہیں ہوا۔ جو غریب بھوک و پیاس برداشت کرنے کے عادی تھے کسی نہ کسی طرح انہوں نے اپنا وقت بھوک و پیاس برداشت کر کے گذار دیا۔ لیکن اس زمانے کے بزرگوں سے جنہوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھیں ہیں سنا ہے کہ دولت مند جو اپنی دولت کے نشہ میں غریب کو جانوروں جیسا سمجھتے تھے اور ان سے ایک اچھوت کا درجہ دیتے تھے جسے اسلام نے مٹایا ہے۔ ان کے ساتھ بس اتنا سلوک کرتے تھے کہ وہ بیچارہ پیٹ بھر کے الٹی سیدھی روٹی کھالے اور ان کے اترن سے اپنا جسم ڈھانپ لے۔ وہ ایک لقمے کے لئے ترستے تھے اور منہ تکتے تھے۔ لیکن یہی دولت جو اس غریب کی محنت کے بدلے انکھیں ملی اسے گھر کی زینت شادیوں کی دھوم دھام اور سیر و تفریح پر خرچ کرتے رہے جسے اس طرح خرچ کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ اسلام نے جو کچھ ہدایتیں کی ہیں وہ خداوند کریم نے کلام پاک کے ذریعہ بندوں تک پہنچائیں ظاہر ہے مسلمان کہلا کر اسلام کے خلاف عمل کرتا خدا کو کیسے پسندیدہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ۱۹۴۷ء میں دیکھا کہ پاکستان اور ہندوستان دونوں طرف کے لوگ کتنی بڑی تباہی کے دہانے پر کھڑے تھے۔ وہ منظر یاد کر کے آج بھی ان کے رونگٹے کھڑے ہوں گے لیکن وقت گذرنے پر انسان مصائب کو بھول جاتا ہے اور پھر رنگ رلیوں میں پھنس جاتا ہے۔

ہندو مسلمان سکھ، عیسائی سب ہی کے سامنے قیامت کا منظر تھا۔ مثل مشہور ہے ایک مچھلی تالاب کو گندہ کرتی ہے۔ ظاہر گناہ چند افراد کے ہوں گے لیکن اس سے پورا سماج تباہ و برباد ہو گیا۔ غریبی اور مفلسی نے خدا کو یاد کرنے کا موقع دیا۔ انہوں نے

اپنے گناہوں سے توبہ کی معافی مانگی اور کہا اے خدا ہمیں نیک ہدایت دے اور ہمیں گناہوں سے بچا لے جب تک دعا مانگتے رہے وہ بچتے رہے لیکن انسان بھی کیا چیز ہے کہ دعا مانگتے مانگتے تھک گیا اور دعا مانگنی چھوڑ دی اور چند دن گذرنے کے بعد بھول گیا کہ وہ کیوں دعا مانگتا تھا۔ کیوں روتا تھا گڑگڑاتا تھا ایسے لوگوں کو جو خدا سے دور ہو جاتے ہیں شیطان دوست بنا لیتا ہے۔ یہاں انسان کی پھر آزمائش شروع ہو جاتی ہے لیکن بے خبر انسان کو کیا معلوم کہ وہ کب زد میں آسکتا ہے۔

آج بے حسی کا یہ عالم ہے کہ دولت کی کمی نہیں لیکن کوئی تعمیری کام عمل میں نہیں آتا۔ دولت کے ڈھیر کے ڈھیر لگاتا جا رہا ہے لیکن خرچ کیسے کیا جائے اس کی سمجھ میں آج بھی نہیں آتا۔ تعمیری کام کیا ہیں وہ جانتا ہے قومی فرائض کیا ہیں وہ پہچانتا ہے قبر میں جانے والا بھی جانتا ہے۔ لیکن ان کاموں پر خرچ کرنے کا احساس نہیں ہوتا۔ جمع خوری کے چکر میں پھنس کر اپنی نیندیں حرام کرتا ہے۔ دل کے مرض میں مبتلا ہوتا ہے بلڈ پریشر اسے گھیر لیتا ہے۔ اور بار بار دل تنگ دبتا ہے کہ یہ اُن ہی گناہوں کی سزا ہے جن کے لئے معافی مانگتا ہے اور بھول جاتا ہے

انسان سماج کا ایک اہم جزو ہے اور سماج کے بغیر وہ اپنی زندگی نہیں گذار سکتا کیونکہ اس کی زندگی کی تمام ضرورتیں سماج کے دوسرے افراد پر منحصر ہیں۔ عزیز و اقربا دوست و احباب۔ کچھ غریبوں اور محتاجوں سے وابستہ ہیں۔ اگر سماج کسی انسان کو اپنے سے جدا کر دے تو اس کا باوقار، خوشحال اور باعزت رہنا مشکل ہوگا۔ اسلام نے ان رشتوں کو مضبوط تر کرنے کے لئے دولت کا اس طرح بٹوارہ کیا کہ ہر انسان خوشی سے رہ سکے۔

ہر انسان کی دولت تین حصوں میں تقسیم ہوتی ہے ایک حصہ اس کا اپنا ہے جسے وہ اپنے اوپر خرچ کرتا ہے کاروبار میں لگاتا ہے اور اپنی ہر ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ دوسرا حصہ عزیز و اقرباء دوست و احباب کا ہے جو تقریبات کی شکل میں اور ان کی مدد کر کے خرچ کیا جاتا ہے۔ یہ بھی تعمیری کاموں میں صرف ہوتا ہے۔ تیسرا حصہ غریبوں مفلسوں اور بیواؤں کا ہے جو خیرات، زکواۃ۔ صدقہ اور فطرے کی شکل میں دینا چاہیئے۔

ایسا انسان جو اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گذارتا ہے وہ کامیاب اور بے فکر رہتا ہے اس کی خوشیاں بے شمار ہوتی ہیں۔ وہی خوش قسمت انسان کہلاتا ہے بشرطیکہ ایسا کرنے میں عیاری مکاری، اور ریاکاری شامل نہ ہو۔

اپنے سماج میں کن کاموں کی اہم ضرورت ہے اسے بھی محسوس کئے بغیر چلنا مشکل ہی ہوگا۔ انسان کو سب سے پہلے تعلیم۔ صحت کے لئے علاج۔ عبادت کے لئے عبادت گاہیں ملنے جلنے کے لئے کمیونٹی ہال۔ کسی جگہ جا کر قیام کے لئے مسافر خانے اور کاروبار کے لئے منڈیاں چاہئیں۔

جب شمالی ہندوستان کی مسلم قوم کا جائزہ لیتے ہیں تو ان تمام میدانوں میں مفلس نظر آتی ہے نہ اس کی تعلیم کے لئے معقول اسکول ہیں نہ صحت کے لئے ہسپتال اور نہ ہی کاروبار کے لئے منڈیاں وغیرہ ... کیوں؟ ... کیونکہ ضرورت کا احساس نہیں کیا۔ جو قومی سطح پر ہونا چاہئے تھا۔ ہر قسم کے مذہبی سماج کو اپنی ضرورتوں کے مطابق یہ ادارے چاہئیں۔ کیونکہ اگر اپنی روایات اور مذہبی اقدار کے ساتھ تعلیم حاصل نہ کی تو نسل مذہبی سماج سے دور ہو جائے گی اور اس کی تمام ذمہ داری ان لوگوں پر ہوگی جو بے فکر ہیں اور دکھاوا ان کی زندگی میں رچا بسا ہے۔ بہ ظاہر مذہبی ہیں لیکن اندرونی کیفیت مذہب سے کوسوں دور ہے

(بقیہ صفحہ ۴۳)

بچوں کی تعلیم و تربیت اور اساتذہ کی ذمہ داریاں

اختر عالم

تعلیم۔ انسانی دماغ کے لئے جہاں صیقل کا کام کرتی ہے وہیں کسی معاشرے کے لئے ایک طرح راہ متعین کرتی ہے فطرت نے انسانی دماغ کی تشکیل کچھ اس طرح کی ہے کہ ابتدا ہی سے بچہ اپنے آس پاس اور اپنے بڑوں سے سیکھتا ہے ماہرین تعلیم میں پرانی بحث ہے اور اس کا فیصلہ آج تک نہیں ہوسکا کہ آیا بچہ اپنی زندگی کی راہ اپنی وراثت میں لیکر دنیا میں آتا ہے یا ماحول کے اثرات سے یہ راہ متعین ہوتی ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ ہر بچہ فطری نظام کی مشین کا ایک پرزہ ہے اور کارساز فطرت خود جانتا ہے کہ کون سا پرزہ کس جگہ فٹ ہوگا۔ بچپن کے نامساعد حالات اور غلط ماحول کے اثرات کے باوجود بچہ کو جو کچھ ہونا ہوتا ہے بن جاتا ہے تاہم ماحول کے اثرات اور تعلیمی تاثرات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کسی قوم کے لئے ایک لائحہ عمل ایک مخصوص قسم کی تعلیم سے ہی بن سکتا ہے یہ حقیقت ہے کہ علمی سرگرمیاں ہر دور میں انسان کی توجہ کا مرکز بنی رہی ہیں لیکن علمی سرمایہ کسی ایک ملک یا کسی ایک قوم کے پاس مقید نہیں رہا بلکہ بڑھتا رہا پھیلتا رہا۔ کبھی ایک قوم نے سرپرستی کی کبھی دوسری قوم نے تاریخ کا مطالعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ

جس قوم نے علوم و فنون کی قدردانی کی اور ان سے صحیح معنوں میں استفادہ کیا وہ امامت کے منصب پر فائز رہیں اور جن قوموں نے انہیں نظر انداز کیا ان سے غلط استفادہ کیا وہ اپنے بلند مقام پر پہونچیں اور جب وہ قومیں عیش و عشرت اور رقص و سرود کی محفلوں میں کھو کر علمی کاوشوں سے دور ہوگئیں تو ان کی امامت اور ان کی سربلندی افسانۂ پارینہ بن کر رہ گئی۔ امامت کا دامن ہمیشہ علم سے وابستہ رہیگا جو طبقہ یا گروہ علم کی صفت میں دوسرے طبقے یا گروہوں سے آگے بڑھ جائے گا وہ اسی طرح سب کا امام بن جائے گا جس طرح انسان من حیث النوع دوسری انواع ارضی پر اسی چیز کی وجہ سے خلیفہ بننے کا اہل ہوا ہے۔

قوموں کے عروج و زوال کو دیکھ کر ذہن میں فطری طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم سے کیا مراد ہے اور وہ کونسا علم ہے جو قوموں کو بام عروج تک پہنچاتا ہے اور لغزش سے قوموں کو تاریکیوں میں دھکیل دیتا ہے علم کے بارے میں مختلف مفکرین نے مختلف انداز میں باتیں کی ہیں سترھویں صدی میں انگلستان کا ماہر نفسیات جون لاک کہتا ہے کہ۔

"ہمارے مشاہدات جو بیرونی اشیاء کے احساسات پر مبنی ہوں یا اپنے دماغ کے اندرونی کاوشوں پر مبنی ہوں یہی مشاہدات غور و فکر کے لئے مواد فراہم کرتے ہیں۔ یہی صلاحیتیں علم کا سرچشمہ ہیں جہاں سے تمام تخیلات ابھرتے ہیں جو ہمارے اندر پہلے سے موجود ہوتی ہے یا فطری طور پر پیدا ہوسکتے ہیں" یعنی دماغی کاوش اور بیرونی اشیاء کا مشاہدہ ہمارے علم کا ماخذ ہے۔ انقلاب فرانس کا بانی روسو جس نے نظام تعلیم میں نیچریت کی بنیاد ڈالی اپنی ایک تصنیف میں لکھتا ہے کہ "قدرت کا مشاہدہ کرو اور اس کے بتائے

ہوئے راستہ پر چلو" اپنی ایک کتاب " انسان ایک مشین" میں لکھتا ہے۔" اے خدائے مطلق انسانوں کے دماغ تیرے قبضہ میں ہیں۔ ہمیں اپنے آباؤ اجداد کے علوم و فنون سے نجات دے، ہمیں جہالت، معصومیت اور غربت پھر سے واپس دیدے یہی وہ تین چیزیں ہیں جو ہمیں مسرت دے سکتی ہیں۔ [illegible] مجھے بہت عزیز ہیں۔ یعنی فلسفیوں سے پیچھا چھڑا کر اپنے شاگردوں کو تعلیم دیتا ہے کہ قدرت کے بتائے ہوئے راستہ پر چلے، نیز کسی تعلیم کا آغاز پیشے سے نہ ہو اور نہ پیشے کا رجحان پیدا کیا جائے بلکہ سب سے پہلے انسان کو انسان بنایا جائے۔ وہ زور دیتا ہے کہ تربیت کے لئے بچے کو نیچر کے حوالے کردو۔ اگر وہ ٹھوکر کھاتا ہے یا انگلی جلاتا ہے تو اسے ہرگز نہ روکو۔ اسے خود تجربہ ہوگا اور وہ راہ راست پر آجائے گا

لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ انسان کو پوری طرح نیچر کے حوالے کردیا جائے تو آہستہ آہستہ حیوان میں تبدیل ہوجائے گا۔ ایک اور ماہر تعلیم پیتالوزی جو سوئٹزرلینڈ کا رہنے والا تھا۔ اپنی کتاب "راہب کی شام" میں لکھتا ہے "انسان اسی وقت انسان بن سکتا ہے جبکہ اس کا اندرون بیدار ہو اور اس میں روحانی زندگی پیدا ہو" اس نے روسو کے نظریات سے اتفاق نہیں کیا کہ بچے کو تربیت کی خاطر نیچر کے حوالے کردو" تجربہ کرتا اور خمیازہ بھگتو" والا نظریہ اس نے مسترد کردیا۔ بچہ کی فطرت کو اس نے تعلیم کا مرکز قرار دیا اس نے ہدایت کی کہ عمل کرنے اور سیکھنے کی قوتوں کو نفسیاتی طریقہ پر ترقی دی جائے۔ مگر اس کے نظریہ یورپ کی زندگی کا ساتھ نہ دے سکے، اخلاقی تربیت کے روحانی طریقے سب دھرے رہ گئے جرمنی کا مشہور و معروف شخص فروبل جسے بابائے کنڈرگارٹن کہا جاتا ہے اس کا نظریہ تھا کہ بچہ جو آگے چل کر جس قسم کا انسان بننے والا ہے وہ ساری صلاحیتیں اس کے اندر موجود رہتی ہیں اساتذہ کا فریضہ ہے کہ ان صلاحیتوں کو پہچانے اور اسی کے مطابق تعلیم دے۔ اس نے کھیل کے طریقے سے تعلیم دینے کی بڑی عمدہ اصول مرتب کئے ہیں۔ فروبل نے معلم کو ایک باغبان سے تشبیہ دی ہے جس طرح ایک مالی کو پودوں سے محبت ہوتی ہے وہ اپنے باغ کو سرسبز اور شاداب رکھنے کے لئے ہر وقت لگا رہتا ہے، وقت پر آبیاری کرتا ہے خود رو گھاس کو اکھاڑتا ہے، پودوں کے حسن کو برقرار رکھتا پھولوں اور پھلوں کی نگہداشت کرنا اس کی زندگی کا بہترین مشغلہ ہے اسی طرح بچوں کے باغ میں معلم باغبان کی حیثیت سے ہر وقت جٹا رہتا ہے۔ اس کے نصاب میں مذہبی تعلیم کو اولیت حاصل تھی

فروبل کے تعلیمی اصول آج بھی زندہ ہیں اور دنیا کے گوشے گوشے میں کثرت سے کنڈرگارٹن قائم ہیں لیکن پیتالوزی کی طرح اس کے تصورات مذہب کو دنیا نے کم اختیار کیا۔ امریکہ کے ماہر تعلیم ڈیوی جو جمہوریت اور تجربیت pragmatism کا علمبردار تھا اس نے شدت سے اس بات پر زور دیا کہ بچوں کو اس انداز سے تعلیم دی جائے کہ وہ جمہوری معاشرے میں عمدگی کے ساتھ فٹ ہوسکے۔ اس نے تجربات کو تعلیم کا مرکز بنایا ڈیوی کے نظریات کے بنیاد پر کلپیٹرک نے پروجیکٹ منہج کا آغاز کیا، جس میں کسی ایک مسئلہ کو بنیاد بنا کر تمام طلبہ اس کے تمام پہلوؤں پر غور کرتے ہیں اور اجتماعی طور پر مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کوشش میں تمام علوم کے سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے بھی ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم کی رہنمائی میں پروجیکٹ منہج استعمال کیا تھا۔

دنیا اس توقع میں تھی کہ ان اصولوں کی بنیاد پر نیا معاشرہ دنیا کے لئے مسرت لے کر آئے گا۔ اس میں شک نہیں کہ نئے تعلیمی نظام نے ایسے سائنسدان اور ماہر معاشیات پیدا کئے جنہوں نے

جنھوں نے دنیا کو زحمت گاہ بنا دیا بڑے بڑے کارخانے دن رات کام کرکے نئے نئے آلات اور نئی نئی مشینیں بنا رہے ہیں. جنھوں نے انسانوں کے کھانے، پینے اور پہننے اور سفر کرنے کی تمام ضروریات کو بڑی خوبی سے حل کر دیا. زراعت کے بڑے بڑے فارم، دریاؤں کے بڑے بڑے پروجیکٹ غلہ نہیں سونا اگا رہے ہیں. سائنس کی تعلیم نے انہیں کرۂ ارض سے اٹھا کر چاند کی سطح پہنچا دیا لیکن حالات بتا رہے ہیں کہ اسباب عیش و راحت کی فراوانی کے باوجود جو چیز ڈھونڈنے میں نہیں ملتی ہے وہ ہے ذہنی سکون.

مغربی تعلیم نے مخلوط تعلیم کا تجربہ کیا جدید نصاب نے عشقیہ ناول اور افسانے پڑھائے. جنسی معلومات بہم پہنچانے کے لئے جنسی مضامین، تصاویر اور فلمیں دکھائیں جذبات کے احترام میں انفرادی آزادی کو کھلی چھٹی دیدی آرٹ کے نام پر عورت کو عریاں کرکے پیش کیا پھر اسے اسٹیج پر سیٹ لائے۔

ان سب تجربات کا انجام کیا ہوا؟ جنسی انارکی اخلاقی بے راہ روی، ذہنی بے راہ روی، ہمارے ملک میں مغربی تعلیم کی اندھی تقلید نے ایسے نوجوانوں کی ایک فوج تیار کرلی ہے جو ذہنی انتشار اور اخلاقی بے راہ روی کے مریض ہیں. افسوس ٹیگور، گاندھی جی اور رادھا کرشنن جیسے مخلص مفکرین کی مذہب پسندی بھی آنے والے سوشل نظام کو نہیں روک سکی

علم تو ایسی چیز ہے جو صداقت سکھائے، اخلاق درست کرنے زندگی کی راہ بتائے، ابنائے جنس کے ساتھ بسر کرنے اپنے اور دوسرے کے حق پہچاننے میں کارآمد ہے یہ باتیں انسانیت کی ہیں جو بغیر علم کے نہیں آتیں. ہمیشہ تعلیم سے یہ مقصود رہا ہے کہ انسان میں ایک ملکہ اور اس کے عقل اور ذہن میں جودت پیدا ہو تاکہ جو امور پیش آئیں ان کے سمجھنے کی، حق اور ناحق پہچاننے کی اور عجائب قدرت پر فکر کرنے کی طاقت ہو۔ اس کے اخلاق درست ہوں۔ معاملات معاش کو نہایت صلاحیت سے انجام دے

اور امور معاد پر غور کرے. بچوں کے اندر یہ صلاحیتیں عمدہ تعلیم کے ساتھ عمدہ تربیت کے بغیر ممکن نہیں ہے بچوں کی زندگی کا ایسے طور پر اور ایسی حالت میں بسر ہونا ضروری ہے جس سے روز بروز اس کے صلاحیت کو وسعت ہونی چاہیے. اس کا امنگ بڑھتی جائے. اس کے قوی شگفتہ اور شاداب رہیں غیرت جو ایک بڑا جوہر انسان کا ہے، اور برائیوں سے بچانے کے لئے نہایت عمدہ اور سچا محافظ ہے، ہمیشہ ترقی پر رہے ظاہری اخلاق اور مؤدبانہ حرکات اوپر اوپر مثل روغن قاز کے نہ لگائے جائیں بلکہ مثل چشمہ حیات کے خود اندر سے نکلیں، اساتذہ جو ان کے مربی اور معلم ہیں پس جو جوہر اُن کے اندر پوشیدہ ہے اگر ان کو تعلیم و تربیت سے جلا دیکر روشن نہ کیا تو معصوم بچوں کے آئندہ زندگی کو خراب و برباد کرنے والے ہوں گے۔

قطعہ

ہر قدم بر رہِ محبت میں
زیست کو سوگوار دیکھا ہے
ہم ترکِ تعلقات پہ بھی
آپ کا انتظار دیکھا ہے

زندگانی میں بارہا اے دوست
ایسے ایسے مقام آئے ہیں
جب تصور میں کھو گیا ہوں میں
تیرے لاکھوں سلام آئے ہیں

جان کر مجھ پہ ظلم ڈھاتے ہیں
زخم تیرے اٹھاتے ہیں
میرے حالِ دلِ شکستہ پر
آپ کیوں آج مسکراتے ہیں

رامین برنی

کرشن موہن

جے ہپیوں کی

لڑکیاں کالج کو
منزلِ عشق سمجھ بیٹھی ہیں۔
ایک آماجگہ شوق و ہوس
محفلِ حسن و شباب
بیڑیاں پیتی ہیں، ارمانوں کا دم بھرتے ہوئے جیتی ہیں۔
عشق پر مرتے ہوئے جیتی ہیں

لڑکوں اور لڑکیوں میں
اب کوئی فرق نہیں۔

نوجوان لڑکے بھی
بیڑیاں پہنے ہوئے نشے کی
بیڑیاں پیتے ہیں
حسن پہ مرتے ہوئے جیتے ہیں۔
لڑکیاں بن کے سجے پھرتے ہیں۔

امتحان گاہوں میں
دُم دبائے ہوئے ہی گھومتے ہیں
"منزلِ عشق" میں بھی
دورے لڑکیوں کو گھیرتے ہیں۔
اور کھا کھا کے حشیش
کیف میں جھومتے ہیں
جے ہو ان ہپیوں کی
جے ہو ان ہپیوں کی

راشد آذر

نیا ذہن

دھیرے دھیرے چاند کی کرنیں
مغرب کی دیوار سے ڈھل کر
سارے آنگن کی مٹی پر
چاندی کا اک فرش بنا کر
مشرق کی دیواروں پر چڑھ کر
گھر کی چھت پر سو جاتی ہیں
مغرب کی دیوار کا سایہ
آنگن کے باہر ظلمت میں
کھو جاتا ہے۔

برسوں سے یہ کھیل ہے جاری

میری بیوی
میرے ساتھ ہی چاند کی کرنیں
گننے میں مصروف ہے لیکن
میرا بچہ
کرنوں کے زینوں پر چڑھ کر
چاند پہ جانے کے منصوبے
بنا رہا ہے۔

آگئے نئے پیٹرن

ہمارے ہاں

ٹیرین ۔ وولین ۔ اور ۔ ہماری سوٹنگ

★

بہترین خوبصورت

★

مضبوط اور دلکش

صرف مردانہ کپڑے سلوائیے

۱۰۸۳ فراش خانہ دہلی ۱۱۰۰۰۶

بچوں کے بگڑنے کے اسباب

بچوں کی حرکات و سکنات کا جائزہ لینے سے حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ بچے بڑوں سے زیادہ حساس ہوتے ہیں۔ ان کے تمام حواس خمسہ بیدار ہوتے ہیں خودنمائی خودستائش۔ عزت کرانے اور اپنی بات منوانے کی بے پناہ خواہش بچے میں پائی جاتی ہے۔ اپنے بڑوں کی نقل و حرکت پر گہری نظر رکھنا۔ ان کی باتیں سننے کی تجسس۔ ان کے نقش قدم پر چلنے کی خواہش بچے کی فطرت ہوتی ہے

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بچہ نیچی نگاہ کئے کسی ڈر سے اپنے گردونواح کا جائزہ لیتا رہتا ہے اس کی نگاہ نیچی ہوتی ہے لیکن کبھی کبھی وہ اپنی نظروں کو ایسے اٹھاتا ہے کہ ہم اسے نہیں دیکھ پاتے اپنے کانوں کو ایسے متوجہ رکھتا ہے کہ ہم محسوس نہیں کر پاتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بچہ سو رہا ہے لیکن وہ اپنا کام اپنی فطرت کے مطابق کرتا رہتا ہے وہ جاگتا رہتا ہے ہماری باتوں کو سنتا رہتا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ بچہ سو رہا ہے، بچے کے متعلق جو رائے ہم قائم کرکے گفتگو کرتے وہ باخبر ہوجاتا ہے بعض اوقات ہم ایسی بھی گفتگو کرتے ہیں جو ہمیں نہیں کرنی چاہیئے۔

بچے کی ذہنی جسمانی روحانی۔ سماجی اور دیگر صلاحیتیں مختلف اوقات میں ابھرتی ہے۔ ان صلاحیتوں کو اچھے کاموں میں لگانے کے لئے نفسیاتی طور پر بچے کے ساتھ اچھا عمل کرنا چاہیئے ورنہ یہ صلاحیتیں یا تو دب جاتی ہیں یا غلط کام کرنے کی طرف اپنا رخ بدل لیتی ہیں اور وہ بھٹک جاتا ہے لیکن بعض بڑی عمر کے بچے ٹھوکریں کھا کر ایسے سنبھلتے ہیں کہ ان کی زندگی سنور جاتی ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ بچے کو غلط راستہ اختیار کرنے دیا جائے

بچے کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی نہ صرف گھر میں عزت ہو بلکہ وہ باہر بھی عزت چاہتا ہے۔ اپنی بات منوانے کا جذبہ بھی اس میں شدت سے پایا جاتا ہے والدین اور عزیز واقربا اگر بچے کو پیار نہیں دیتے اسے دوسروں کے سامنے یا دوسروں کے مقابلے میں ذلیل کرتے ہیں تو بچے میں کئی قسم کی خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں یا تو اس میں احساس کمتری پیدا ہو جاتا ہے اور اسکی تمام صلاحیتیں مردہ ہو جاتی ہیں یا پھر اس میں ضد پیدا ہوجاتی ہے جو باغیانہ انداز اختیار کر لیتی ہے گھر میں یہ سب کچھ نہ ملنے پر پیار کی امید لے کر اسکول جاتا ہے اور سوچتا ہے کہ اسے پیار ملے گا، عزت ملے گی لیکن اگر اسکول میں بھی اس کے ساتھ یہی سلوک رہتا ہے تو وہ اپنے دوستوں سے حسن سلوک کی امیدیں وابستہ کرتا ہے۔

دوستوں کو اگر موقع مل جاتا ہے تو وہ اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں اس کی عزت کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں بچہ دوستوں پر زیادہ بھروسہ کرتا ہے یہ دوست اس کے بدلے میں جو کام چاہیں کرا سکتے ہیں سیر و تفریح فضول خرچی، چوری، ڈکیتی۔ اور بدمعاشی کی عادتیں یہیں سے شروع ہوتی ہیں۔ باہر کا ظاہری پیار بچے کو اندھیرے میں لا کھڑا کرتا ہے۔

ایک خاص پہلو یہ بھی ہے کہ بچے کی اس عمر میں ایمانداری پر زیادہ بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ بچے کی ایمانداری کسی وقت بھی ڈگمگا سکتی ہے۔ والدین اور عزیز و اقارب کو چاہیئے کہ وہ یہ ظاہر نہ کریں کہ وہ اس پر بھروسہ نہیں کرتے۔ بلکہ بچوں کو یہ احساس ہونا چاہیئے کہ اس کے بزرگ اس پر بھروسہ کرتے ہیں۔ بچے کے قول کے مطابق اسے پرکھنا بھی ضروری ہے۔ بچہ اس طرف چلنے کی کوشش

کرتا ہے جس طرف رنگینی خوبصورتی اور دلکشی نظر آتی ہے اساتذہ اور والدین کا فرض ہو جاتا ہے کہ بچے کو دیکھیں کہ وہ کس طرف جا رہا ہے اسے نفسیاتی انداز میں رکھیں زبردستی نہیں سختی وہاں کسی حد تک ضروری ہے جہاں نفسیاتی پہلو کام نہ کرے۔ ہاں حالات اور ماحول کے مطابق نفسیاتی علاج کے ساتھ یہ بھی کرنا پڑے گا اور پھر نفسیاتی علاج سے کام لینا ہوگا۔

بھولا ایک غریب آدمی کا لڑکا تھا جو تیسری کلاس میں پڑھتا تھا۔ گھر کے حالات اتنے بگڑ چکے تھے کہ اگر چھوٹے بچے چرا کر کوئی چیز گھر میں لاتے تھے تو ماں باپ خوش ہوتے تھے بھولا بھی کبھی کبھی ایسا ہی کرتا تھا۔ اس کی کلاس میں ایک اور لڑکا پڑھتا تھا جس کا نام سرور تھا۔ سرور ایک ٹھیکیدار کا لڑکا تھا جو مالدار تھا۔ گھر میں روپیہ پیسے کی کمی نہ تھی روپیہ یونہی پڑا رہتا تھا۔

بھولا نے سرور کی مالی حالت کو بھانپ لیا اور اسے دوست بنا لیا۔ دونوں ساتھ ساتھ رہنے لگے سرور گھر سے روپے لاتا اور بھولا کو دیدیتا۔ بھولا کچھ خود کھاتا اور کچھ سرور اور اس کے دوستوں کو کھلاتا۔ کچھ دنوں تک تو ایسا ہوتا رہا آخر کار بھولا سرور پر ایسا غالب آگیا کہ جو وہ کہتا سرور کو کرنا پڑتا۔ رفتہ رفتہ پورے سال میں دس ہزار روپیہ بھولا نے سرور سے منگوا کر اپنے ماں باپ کو دیئے۔ بھولا کے گھر کے حالات بدل گئے۔ ہر ضرورت کا سامان بھی گھر میں آگیا پاس پڑوس کو تعجب ہوا کہ ایک دم کہاں سے روپیہ آنے لگا۔

سال میں دوبارہ اسکول کے ٹیچر اور پرنسپل کو شک ہوا اور بھولا کے والد کو بلا کر یہ واقعہ بتایا اور پوچھا بھولا کے پاس پیسے کہاں سے آتے ہیں بھولا کے باپ نے جھوٹ بولا اور کہا میں نے اسے پیسے دیئے تھے۔ وقت گزر گیا۔ ایک دن بھولا پھر پکڑا گیا اور یہ معلوم ہوا کہ اب اس کے پاس پیسے سرور نے رکھے ہیں سرور کے والد کو بلایا گیا سرور کے والد سنکر حیران رہ گئے کیونکہ ان کے گھر میں پہلے ہی میاں بیوی میں جھگڑا شروع ہو گیا تھا۔ اور شوہر کو معلوم ہو گیا تھا کہ روپیہ چرایا جاتا ہے لیکن سرور پر کبھی شک نہیں گیا وہ ایک بھولا بھالا لڑکا تھا۔

اس واقعہ کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر اسکول میں پتہ نہ چلتا تو چند دن بعد سرور غلط راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہوتا اور اس کی زندگی ہمیشہ کے لئے بگڑ جاتی۔

اس لئے والدین پر ضروری فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ بچے پر ہمہ وقت نظر رکھیں اس کی حرکات و سکنات کو دیکھتے رہیں اسکول سے رابطہ برقرار رکھیں اور بچے کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہیں تو بچے کے حق میں مفید ہوگا۔

چھوٹے چھوٹے بچے چیزوں کو جان کر توڑتے ہیں اس لئے نہیں کہ وہ نقصان کرنا چاہتے ہیں بلکہ یہ جاننے کے لئے چیزیں گر کر کیسے ٹوٹتی ہیں پھر وہ اسے جوڑنے بیٹھ جاتے ہیں لیکن ڈرتے رہتے ہیں کہ کوئی انہیں دیکھ نہ لے آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب بچے سے کوئی چیز ٹوٹ جاتی ہے وہ اِدھر اُدھر دیکھتا ہے۔ اگر اسے کوئی دیکھ لیتا ہے تو بچہ رونے لگتا ہے اس ڈر میں کہ اسے سزا ملے گی جب اسے ایسی حرکت پر جو اس نے جان کر نہیں کی ہے سزا ملتی ہے تو اس میں ضد پیدا ہو جاتی ہے اس ضد کے نتیجہ میں بچہ بہت سے نقصانات کرتا ہے اور یہیں سے بچے کا بگاڑ شروع ہوتا ہے۔

عزیز و اقارب کا زیادہ پیار بھی بچے کو بگاڑنے کا بہت بڑا سبب ہے بزرگ اور جوان اپنی خوشی کے لئے بچے کو بے وقت پیار کرتے ہیں جس سے بچے کو تکلیف ہوتی ہے اور وہ رونے لگتا ہے اس کے ساتھ بار بار ایسا کرنے سے وہ بار بار سہتا ہے اور آخر کار پیار کرنے والوں سے

بقیہ صفحہ ۴۱

ہندوستان میں قرآن مجید کے ہندی ترجمے اور تفسیریں

ظلِ عباس عباسی امروہوی

اس مقالہ کے مصنف اردو کے کہنہ مشق صحافی جناب ظل عباس عباسی امروہوی ہیں جو آج سے ۲۷ برس قبل بمبئی سے شائع ہونے والے ایک علمی اور دینی مجلہ "نئی راہ" کے مدیر اعلیٰ رہ چکے اور جنہوں نے اپنے زمانہ ادارت میں اس رسالہ کے دو قرآن نمبر تین سیرت نمبر ایک مجموعہ نعت نمبر ایک خواجہ معین الدین چشتی نمبر کتابی صورت میں شائع کئے تھے اور پیغمبر اسلام غیر مسلموں کی نظر میں ان کی ایک مستقل تالیف ہے۔

گزشتہ ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۴۰۱ھ میں آل انڈیا ریڈیو کے شعبہ عربی نے ان سے ہندوستان قرآن مجید کی تعلیمات کو عوام تک پہنچانے کے موضوع پر چار مقالات لکھنے کی فرمائش کی تھی جن کا عربی میں ترجمہ کر کے غیر ملکی نشریات کے تحت عرب ممالک کے لئے نشر کیا گیا یہ اس سلسلہ کا پہلا مقالہ شائع کیا جا رہا ہے

قرآن کی روشنی

ہندوستان میں قرآن مجید کی تعلیمات کی اشاعت کی تاریخ تقریباً بارہ سو برس پرانی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے آفتاب جہاں تاب کی

تھی مدراس اتامارناڈو وائیں کولم کے علاقے میں صحابہ اور تابعین کے مزارات کی موجودگی اس بات کا زندہ اور تاریخی ثبوت ہے یہ مزارات آج بھی مرجع خلائق اور زیارت گاہ خواص و عوام بنے ہوئے ہیں ان میں سے ایک مزار کا کتبہ یہ ہے۔

اسمٰعیل بن مالک دینار متوفی سنہ [illegible]ھ ہجری حضرت تمیم صحابی رسول تھے ہند آئے اور پھر ہمیشہ کے لئے یہیں کے ہو رہے اس طرح ہندوستانیوں کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے ایک ایسے برگزیدہ شخص کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی سعادت حاصل کی جو رحمت العالمین کے چہرہ انور کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے

پہلا ترجمہ ہندی سندھی میں

صاحب عجائب الہند کے مطابق ہندوستان میں قرآن مجید کا ہندوستانی زبان میں پہلا ترجمہ سنہ ۲۷۰ھ میں مہاراجہ مہروگ بن رائگ نے جو اس وقت پنجاب و کشمیر کے علاقوں کا حکمراں تھا امیر ابو المنذر عبداللہ بن عبدالعزیز فرمانروائے منصورہ جو سندھ کی راجدھانی تھی کو لکھا کہ ہمارے پاس ایک ایسے مسلمان کو بھیجو جو ہم کو اسلامی کتابیں اور قرآن مجید کا ترجمہ ہماری زبان میں سمجھا سکے۔ امیر نے ایک عراقی مسلمان کو راجہ کے پاس بھیج

کی مقامی زبان کو خوب اچھی طرح جانتا تھا اس عراقی نے راجہ کے حکم سے قرآن مجید کا ترجمہ اس کی زبان میں کیا اس طرح ہندوستان میں قرآن مجید کے ترجموں کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد ہندوستان میں مسلمان آتے رہے اور ہند کے مختلف علاقوں میں آباد ہوتے رہے اور قرآن مجید کی تعلیمات کو عام کرتے رہے ہندی میں قرآن مجید کے جن ترجموں کے حوالے مختلف کتابوں میں ملتے ہیں یا جو ترجمے آج بھی کسی نہ کسی لائبریری یا پرائیویٹ کتب خانہ میں موجود ہیں، ان کی مجموعی تعداد کم از کم ۱۸ ہے۔ ہندی کے علاوہ سنسکرت بنگلہ، گجراتی، مرہٹی، تامل، تیلگو، ملیالم، کنڑی، گورمکھی، پنجابی، کشمیری، سندھی، تقریباً تمام علاقائی زبانوں میں قرآن مجید کے متعدد ترجمے ہوئے ہیں اور یہ سب کے سب ہندوستانی علماء نے کئے ہیں اور نہ صرف ہندوستان کی علاقائی زبانوں میں بلکہ غیر ہندوستانی زبانوں تک میں کئے ہیں۔ جیسے فارسی، ترکی، اور انگریزی وغیرہ جو یقیناً ہندوستان کے کسی علاقے کی زبان نہیں ہیں۔

ایک سے زائد زبانوں میں ترجمے

اس وقت دنیا کی ایک سو سے زیادہ زبانوں میں قرآن مجید کے ترجمے ملتے ہیں اور ہندوستان کی زبانوں میں سب سے زیادہ ترجمے اور تفسیریں اردو میں ہوئی ہیں جن کی تعداد چھ سو سے بھی زیادہ ہے اور اگر علوم قرآنی یا قرآنی تعلیمات سے متعلق لکھی گئی کتابوں کو بھی اس میں شامل کر لیا جائے تو یہ تعداد ہزار سے بھی اوپر پہنچ جاتی ہے ان میں احادیث اور فقہ سے متعلق کتابیں شامل نہیں ہیں اور نہ عربی تفسیریں شامل ہیں جو ہندوستان میں لکھی گئی ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کے بیان کے مطابق تین ہندی اشیاء کے نام قرآن مجید میں موجود ہیں اس لئے ہم ہندوستانیوں کے لئے یہ بات باعثِ فخر ہے کہ ہمارے دیش کے بھی چند اشیاء ایسی خوش نصیب ہیں جن کے نام اس پاک اور مقدس کتاب میں جگہ پا سکے۔

جنت کی تعریف میں ہمارے جنت نشان ملک کی تین خوشبوؤں کا ذکر ہے ... قرآن مجید کے ہندی میں کم از کم اٹھارہ ترجموں اور تفسیروں کا سراغ اب تک مل سکا ہے، جو پرائیویٹ کتب خانوں میں رہے یا جن کی شہرت عام نہ ہو سکی یا جو کرم کتابی کی نظر ہو گئے ہوں گے وہ ان اٹھارہ میں شامل نہیں ہیں۔

ترجموں میں غیر مسلموں کا حصہ

قرآن مجید کے ایک مترجم کنھیالال الکھدھاری متوطن آگرہ ہیں ان کے ترجمہ کی بنیاد شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ ہے یہ ترجمہ راجہ رنجیت سنگھ کے نبیرہ جگجوت سنگھ حاکم پنجاب کے حکم سے کیا گیا تھا۔

مولانا سید علی مونگیری نے اپنی کتاب ارشاد رحمانی میں بھی لکھا ہے کہ سولہویں صدی عیسوی میں بھی قرآن شریف کا ہندی میں ترجمہ ہوا تھا مگر بدقسمتی سے اس کا کوئی نسخہ اب دستیاب نہیں ہے۔

۱۹۱۵ء میں القرآن کے نام سے ڈاکٹر احمد شاہ مسیحی نے بھی قرآن مجید کا ترجمہ ہندی میں کیا اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا یہ راجپور ضلع

دہرہ دون (یو پی) سے شائع ہوا تھا ڈاکٹر احمد شاہ مسیحی نے یہ ترجمہ اصل عربی کے بامحاورہ ہندی میں کیا ہے اور جابجا حاشیہ پر مختصر طور پر تشریحات بھی کر دی ہیں تاکہ آیات کا صحیح مفہوم سمجھنے میں آسانی ہو سکے اس میں قرآن کے ہندی ترجمہ کا مجمل طور پر تعارف بھی کرا دیا گیا ہے اور سورتوں کی دو قسم کی فہرست بھی موجود ہے اس کے بعد اصل ہندی ترجمہ ہے جو بلا متن کے ہے۔

ہندی میں ایک اور قابل ذکر ترجمہ شیخ محمد یوسف ایڈیٹر اخبار "نور" قادیان ضلع گورداسپور پنجاب کا ہے۔ اس کا نام "قرآن مجید کا ہندی انوواد" ہے اور یہ اسی نام سے شائع ہوا تھا، ہندی ترجمے کے فرائض خود شیخ محمد یوسف صاحب مذکور نے انجام دیئے ہیں جس میں غیر مسلموں، خاص طور پر ہندوؤں اور سکھوں کے مذاق کو پیش نظر رکھا گیا ہے مگر یہ ترجمہ بھی اب نایاب ہو چکا ہے۔

خواجہ حسن نظامی کا ترجمہ

قرآن مجید کے ہندی ترجموں کے سلسلہ میں ایک اور قابل ذکر نام اردو کے صاحب طرز انشا پرداز اور انتہائی آسان اور عام فہم زبان لکھنے پر قدرت رکھنے والے حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی کا بھی ہے۔ خواجہ صاحب نے قرآن مجید کا ہندی میں ترجمہ کیا اور ہندی تفسیر کے نام سے ایک ترجمہ مع تفسیر دو جلدوں میں شائع کیا جلد اوّل اکتوبر ۱۹۳۶ء میں اور دوسری جلد ۱۹۳۹ء میں طبع ہوئی اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عربی متن بھی ہے جو اورنگ زیب عالمگیر کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن مجید کا عکس لیکر چھاپا گیا تھا اور اس کے مقابل شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد دہلوی مرحوم مقبول عام اور بامحاورہ اردو ترجمہ ہندی رسم خط میں منتقل کر دیا گیا ہے حاشیہ پر خود حضرت خواجہ نظامی دہلوی کا ہندی ترجمہ اور ہندی تفسیر ہے جو مولانا غلام محمد صاحب فارغ التحصیل دارالعلوم دیوبند (سابق پنڈت کیشو رام شرما) اور کئی دوسرے نامور ہندو اور مسلمان ہندی مترجمین کی مدد سے پانچ سال کے عرصہ میں مکمل ہوئی تھی، یہ ترجمہ اپنے دور میں کافی مشہور و مقبول ہوا

فرنگی محل والوں کا ترجمہ

قرآن مجید کا ایک اور مکمل ترجمہ ہندوستان کے مشہور و معروف علمی گھرانے فرنگی محل لکھنؤ کے مولانا احمد شبیر صاحب نے کیا ہے اس ترجمہ کا نام قرآن شریف ہے مگر یہ عربی متن کے بنا چھپا ہے کہیں کہیں حاشیہ پر ضروری تشریحات و توضیحات بھی ہیں اس کے آغاز میں ایک مختصر دیباچہ بھی ہے جو آنند کمار صاحب کا لکھا ہوا ہے اور اودستھی صاحب کا ایک مقدمہ بعنوان قرآن شریف پر ایک نظر بھی اس میں شامل ہے جو ۱۶ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس ہندی ترجمہ کی زبان بہت آسان ہے، ترجمہ کی تاریخ درج نہیں ہے مگر یہ ترجمہ آزادی وطن اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے کا کیا ہوا معلوم ہوتا ہے اگرچہ اس کی طباعت و اشاعت کی نوبت اگست ۱۹۴۷ء کے بعد آئی۔

ان ترجموں کے علاوہ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی نے بھی قرآن مجید کی آیتوں اور سورتوں کا ترجمہ کیا تھا۔

جو بہت ہوا تھا ہی سے اس کے علاوہ جو درس قرآن دیا کرتے تھے اس کا ترجمہ بھی مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے ہندی میں کر کے شائع کیا تھا۔

مولانا عبدالمجید قریشی، سیرت کمیٹی پٹی نے بھی اس سلسلہ میں تقسیم ہند سے پہلے کچھ کام کیا تھا جو اب نایاب ہے۔

مکتبۃ الحسنات آج سے پندرہ برس پہلے ادارہ الحسنات رامپور نے اس ضرورت کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ عملی قدم بھی اٹھایا اور مولانا عبدالحی صاحب نے قرآن مجید کا مکمل ہندی ترجمہ مع عربی متن شائع کر دیا جس کا نام قرآن مجید ہے یہ ہندی ترجمہ محمد فاروق خاں صاحب سلطان پوری نے کیا ہے ترجمہ کے آغاز میں ایک مفصل دیباچہ بھی ہے اس کے علاوہ حواشی تفسیری ارشادات اور اصطلاحی الفاظ کی تشریح بھی کر دی گئی ہے یہ خدمت قرآن بڑی محنت لگن اور والہانہ انداز سے کی گئی ہے اور پانچ سال شبانہ روز کوششوں کا ثمرہ ہے ترجمہ کی زبان آسان عام فہم اور ادبی رنگ لئے ہوئے ہے اور یہی آج تک دستیاب ہے۔

اس کے علاوہ حال ہی میں قرآن مجید کا ایک اور ترجمہ ہندی میں ہوا ہے، یہ ترجمہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی تفہیم القرآن کو بنیاد بنا کر کیا گیا ہے یعنی مولانا مودودی کے ترجمے ہی کو ہندی میں منتقل کر دیا گیا ہے اور زیر طبع ہے۔

عربی سے تعلقات

کا اتفاق ہے ہندوستان میں عربی جاننے والوں کا ذکر کورو پانڈوں کے زمانے میں بھی ملتا ہے اسی روایت کے مطابق جب کوروؤں نے لاکھ کا گھر بنا کر پانڈوں کو اس کے اندر جلانا چاہا تو ودھر نے یدھشٹر کو عربی میں اس منصوبے سے آگاہ کر دیا اور یدھشٹر نے بھی عربی ہی میں جواب دیا۔

ہمیں یقین ہے کہ ہندوستان میں ہندی کو سرکاری زبان کا درجہ اور قیام ملک سے ملنے کی وجہ سے اس کی خواندگی میں بھی روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے اس لئے ہندی جاننے والوں کی تعداد جتنی بڑھتی جائیگی اتنی ہی ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی رہے گی کہ ہندی میں قرآن مجید کے ترجمے کئے جائیں اور تفسیریں لکھی جائیں اور عربی و اردو میں جو تفسیری خزانے موجود ہیں ان سے ہندی جاننے والوں کو بھی مالامال کیا جائے ضرورت ہے کہ ہمارے دینی مدارس میں ہندی سکھانے کے معقول انتظام کیا جائے تاکہ ان اداروں سے جو طلبہ دینی تعلیم سے فارغ ہو کر نکلیں وہ کم از کم اتنی صلاحیت کے مالک ضرور ہوں کہ قرآن سیرت اور احادیث رسول کو ہندی [illegible] اور سمجھا سکیں، امید کرنی چاہیئے دینی مدارس کے مہتمم اور ناظم حضرات وقت کے اس اہم تقاضے کی طرف کما حقہ توجہ دیں گے اور قرآن مجید کے علوم و معارف کو جدید ہندی میں منتقل کرنے [illegible]

[illegible]

قطعات

ٹھوکریں کھا رہی ہیں امیدیں ۔ (حضرت کامل نظامی)
یاس نے ہر طرف سے گھیرا ہے
لے کے شمعِ جمال آ جائیے
زندگی میں بہت اندھیرا ہے

مضطرب ہیں بہت تمنائیں
غنچۂ آرزو کھلا بھی دو
ہے طبیعت مری اداس بہت
تم ذرا آج مسکرا بھی دو

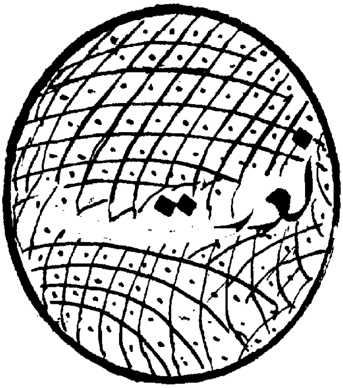
ساحل پہ طوفاں اٹھا سکتا ہوں
طوفاں میں ساحل بھی بنا سکتا ہوں
مزدور ہوں پہچان لے دنیا مجھکو
پانی میں بھی آگ لگا سکتا ہوں

جینے کے لئے ہم کو بدلنا ہوگا
ہر ظلم کے بانی کو کچلنا ہوگا
مزدور کی دنیا کو بدلنے کیلئے
ساحل کو بھی طوفاں میں ڈھلنا ہوگا

زندگی کو میری سوز و ساز دے
فہم کو کچھ قوتِ پرواز دے
میں بدل ڈالوں نظامِ دہر کو
میرے مستقبل مجھے آواز دے

(التجا امروہوی)

(پنڈت گلزار دہلوی زتسی)



سلام اس پر کہ جس نے کام گاروں پہ حکومت کی
سلام اس پر کہ جس نے تاج داروں پہ حکومت کی
سلام اس پر کہ جس نے بے نواؤں کو نوا بخشی
مریضِ انسانیت کو زندگی بخشی بقا بخشی
سلام اس پر کہ جس نے فطرتِ انساں بدل ڈالی
بنائے آدمیت حسبِ پیمانِ ازل ڈالی
سلام اس پر کہ جس نے زندگی کو خواجگی بخشی
براہیمی گلستاں کو نئی اک تازگی بخشی
سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کو آسرا بخشا
سلام اس پر کہ جس نے گم رہوں کو مدعا بخشا
سلام اس پر کہ جس نے آمنہ کی گود روشن کی
منور جس سے دنیا ہو گئی بطحا و ایمن کی
سلام اس پر جو بن کر رحمتِ پروردگار آیا
سلام اس پر جو بن کر آدمیت کا وقار آیا
سلام اس پر جو موجودات کا حقی زریں ٹھہرا
سلام اس پر دو عالم میں جو ختم المرسلیں ٹھہرا

رخِ یوسف کی تابانی کو جس نے مات کر ڈالا
مشیت کی نظر جس کی نظر تھی وہ نظر والا

(مشیر) جھنجھانوی

آہ یہ رنگ وطن، آہ یہ حالات زبوں
یہ بھڑکتے ہوئے شعلے، یہ فسادات یہ خوں
قتل تہذیب کا مقصد ہے اگر مان بھی لوں
قتل ہونے کے لئے پھر بھی سلیقہ چاہوں
میں تو خود حلقۂ زنجیر سے وابستہ ہوں
کس کی فریاد سنوں کس کی کو دوڑوں
آئینے تیز دھماکوں کے سبب ٹوٹ گئے
اپنے چہرے کی خراشوں کو میں کیسے دیکھوں
آگ ہی آگ ہے دریا کے کنارے اب تک
کیسے دریا میں رہوں اور کہاں تک تیروں
اب تو سائے بھی نظر آتے ہیں شمشیر بکف
اس قدر عام نہ تھا فرقہ پرستی کا جنوں
جنگ میدان میں ہوتی تھی مکانوں میں نہیں
مگر اس کو سمجھتے ہو یہ ہے کار جنوں
شہر کے کوچہ و بازار ہے ہیں، مقتل
زندگی تیرے لیے حسن کہاں سے لاؤں
تشنگی شہر جگر میں کبھی ایسی تو نہ تھی
اب تجھے ساقی میخانہ کہوں یا سر کہوں
گھر گیا ہوں تو مجھے آگ سے لڑنا ہو گا
مصلحت یہ تو نہیں ہے کہ میں خاموش رہوں
چند زخموں کا چھپانا تو کوئی بات نہیں
پٹیاں جسم پہ باندھوں تو کہاں باندھوں
تنگ آ کر مجھے انداز بدلنا ہو گا،
اپنا حق ہاتھ پسارے ہوئے کب تک مانگوں
آگ لگوائی گئی مجھ سے میرے گھر کو مشیر
اس پہ یہ ضد ہے کہ میں خود بھی تماشہ دیکھوں

ایک شعر

برق سے گلہ کیسا، آندھیوں سے کیا شکوہ
آشیاں بناتا ہوں شاخ ٹوٹ جاتی ہے

اشعار غزل

ایک ہی خاک سے انساں ہوئے ہیں پیدا
ایک ہی خون ہے پھر خون بہاتے کیوں ہو
خشت بت خانہ سے تعمیر ہوا ہے کعبہ
ایسے دیرینہ تعلق کو مٹاتے کیوں ہو
آگ مسجد میں لگے گی تو جلے گا مندر
یہ سمجھتے ہو تو پھر آگ لگاتے کیوں ہو

کتاب پر تنقید و تبصرہ

تبصرے کے لئے دو کتابوں کا بھیجنا ضروری ہے

تنقید و تبصرے کے لئے کتابیں اور رسالے مدیر معتمد کے نام روانہ کیجئے۔ انتظامی امور، رسالے کی خریداری، ایجنسی و اشتہارات کے متعلق جملہ مراسلات مدیر و معتمد مجلس ادارت

ماہنامہ پندرہویں صدی کے نام ہونے ضروری ہیں۔

حسن خورشید

احساس کی صراحی

میں نے احساس کی صراحی انڈیلی اس نے خواہش کا کٹورہ نیچے رکھ دیا۔ ادھ بھرا آدھا کٹورہ بھرنے کے بعد بنا بس کچھ جھٹکا دے کر کٹورا ہٹا لیا۔ میں ابھی تک صراحی الٹی کئے رہا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی کتنا میٹھا پانی زمین پر گر کر ضائع ہو گیا۔ صاف پانی نے صاف زمین پر کیچڑ کر دی احساس کا شربت کئی چیزوں کا مرکب ہے لیکن نسخہ بتا دیا تو میری دکانداری ختم ہو جائے گی اور میں روزی کو محتاج ہو جاؤں گا۔ اس میں مٹھاس خالص چینی کی ہوتی ہے۔ چینی آج کل راشن سے ملتی ہے جس کا راشن پرمٹ نہیں ہوتا وہ بلیک کی چینی لیتا ہے۔ بلیک کے پیسے نہیں تو کھانڈ یا گڑ سے ہی کام چلاتا ہے۔ میری چینی نہ بلیک کی ہے نہ میں کھانڈ اور گڑ کی adulterate کرتا ہوں میں نے پہلے ہی دن سے چینی کا پرمٹ بنوایا ہوا ہے۔ اس وقت تک پرمٹ بنا رشوت دیئے مل جایا کرتے تھے اب تو پرمٹ بھی منہ مانگے پیسوں میں بکتا ہے حالانکہ صاف ہدایات لکھی ہیں not transferable میرا پرمٹ بھی اکثر خریدنے کی کوشش کی گئی

مجھ سے دیکھا نہیں جا رہا ہے میں نے صراحی ... اس نے کٹورا کیوں ہٹایا۔ میں اس کے ... کو دوش نہیں دے رہا ہوں۔ کیچڑ پر لوگوں کے پیر پھسل رہے ہیں۔ مکھیاں بھی بھنبھنا رہی ہیں یہ مکھیاں یہاں سے bacteria لے کر اڑیں گی اور بیماریوں کو دس سے ضرب دیں گی۔ مکھیاں حساب بہت اچھا جانتی ہیں۔ اتنا اچھا حساب اسرائیلی یونیورسٹیوں کے طلب رکو بھی نہیں آتا ہے

مجھ سے سوچا نہیں جا رہا ہے اس عمل کو میں اپنی غلطی کہوں یا اس کی شاید اس سے یہ مٹھاس برداشت نہیں ہوئی یا اس کا دل اوب گیا۔ شاید لوگ adulteration کی اشیاء کے عادی ہو چکے ہیں۔ خالص چیز سے اب انھیں دلچسپی نہیں

مجھ سے اور آگے کہا نہیں جا رہا ہے ہو سکتا ہے کل تک سب کے مزاج بدل جائیں۔ ایک کی طرح سب کا ہی رد عمل ہو جائے۔ ان کے گھٹیا material کے بنے کٹوروں میں سوراخ بھی ہو سکتے ہیں۔ میں آج بھی اپنا پرمٹ سامنے والے کو دے کر منہ مانگے پیسے لے کر کریلے اور نیم کی پتیوں کا دھندہ شروع کروں گا جس میں کیچڑ اور مکھیوں کا تو ڈر نہیں ہے۔

میں جا رہا ہوں ابھی اسی وقت کہیں کل تک میرے خیالات بدل نہ جائیں

مخمور سعیدی ٹونکی

سالِ ولادت :- ۱۹۳۴ء
مقام :- ٹونک ، راجستھان

۱۹۵۴ء سے دلی میں قیام ہے۔ کچھ مدت پہلے تک ماہنامہ "تحریک" کے ادارۂ تحریر میں شامل تھا۔ اب "گلفشاں" کے نام سے خود ایک ماہنامہ نکال رہا ہوں جو اردو داں عوام میں زبردست مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔

میرے کلام کے چھ مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن کے نام بالترتیب یہ ہیں۔ (۱) گفتنی - (۲) سیہ بر سفید (۳) آواز کا جسم (۴) سب رنگ (۵) واحد متکلم (۶) آتے جاتے لمحوں کی صدا۔

کئی کتابوں کے تراجم بھی کیے ہیں، جو نیشنل اکاڈمی دہلی اور نیشنل بک ٹرسٹ (انڈیا)، نئی دہلی سے شائع ہوئے ہیں۔

غزل

کتنے نادیدہ علاقوں کی سیاحت کی ہے
ہم نے جب خود سے گزر جانے کی ہمت کی ہے

دل نہ ٹھہرا کسی عالم میں کہ ہم نے تا عمر
دوڑتے بھاگتے لمحوں کی رفاقت کی ہے

مرکزِ دیدہ و دل کوئی نہ تھا اپنے سوا
ہم نے خود اپنے ہی خوابوں سے محبت کی ہے

منتظر موسمِ گل کے تھے وہاں بھی کچھ لوگ
جلتے صحرا کی ہواؤں نے روایت کی ہے

جی لئے ایسی فضا میں بھی کہ جینا تھا محال
زندگی ہم نے بہت تیری مروت کی ہے

اس کے آنے کی خبر سن کے دیارِ جاں میں
خونِ دل سے در و دیوار کی زینت کی ہے

وہ بھی اپنا ہے، کوئی غیر نہیں ہیں ہم بھی
درمیاں بات بس اک فرقِ طبیعت کی ہے

حاکمِ وقت جو چاہے وہ سزا دے ہم کو
وقت سے ہم نے کئی بار بغاوت کی ہے

جس کو مخمور تعلق کی خلش کہتے ہیں
زخم خوردہ یہ طبیعت اسی لذت کی ہے

کبڈی

(مشہور ایشیائی کھیل)

سال رواں کے ایشیائی کھیلوں میں کبڈی ایک نمائشی کھیل کی حیثیت سے شامل ہے یہ کھیل زیادہ تر گرم آب و ہوا والے ممالک میں کھیلا جاتا ہے اور مختلف ممالک میں اس کے قواعد علیحدہ ہیں۔ یہ ایک عوامی اور ایسا کھیل ہے جس پر کچھ خرچ نہیں ہوتا ہے اس کے لئے مہنگے ساز و سامان درکار نہیں ہوتے اور یہی اس کی مقبولیت کا بڑا سبب ہے ایشین امیچور کبڈی فیڈریشن کا قیام مئی ۱۹۷۸ء میں بھارت، نیپال، بنگلہ دیش اور سری لنکا کی گہری دلچسپی کی وجہ سے عمل میں آیا۔ اس کھیل کو مختلف ملکوں میں مختلف ناموں سے پہچانا جاتا ہے بھارت میں، جہاں یہ بے حد مقبول ہے اور ملک بھر میں کھیلا جاتا ہے، اور پاکستان میں اس کو کبڈی کے نام سے جانتے ہیں لیکن بنگلہ دیش میں ہڈوڈو، سری لنکا میں گڈو چیچ، انڈونیشیا میں دیچپ نیپال میں ڈوڈو، اور ملیشیا میں چلہ گڈو کہتے ہیں۔

اس کھیل کی دفاعی اور حملہ آور، دونوں پوزیشن میں کھیلنے والے کھلاڑیوں میں انفرادی، صلاحیت، ہمت چستی، جسمانی طاقت، ٹیم اسپرٹ، قوی پھیپھڑوں، لمبے سانس، ذہانت اور حاضر دماغی کی ضرورت ہوتی ہے ذہن اور جسم میں تال میل اور فوری فیصلہ کرنے کی صلاحیت کبڈی کھلاڑی کے لئے نمایاں خوبیوں کی حیثیت رکھتے ہیں یہ کھیل، بھارت، پاکستان، بنگلہ دیش اور سری لنکا میں تو مقبول ہے ہی لیکن ساتھ ہی اب اس کو جاپان تھائی لینڈ، ملیشیا اور دیگر جنوب مشرقی ایشیائی ممالک میں بھی اس کی مقبولیت بڑھ رہی ہے۔

باہر میدانوں میں کھیلے جانے والے کھیلوں میں کبڈی بہت قدیم کھیل ہے حتیٰ کہ قبل از تاریخ کے دور میں بھی اس کا وجود تھا جب ہتھیار نہ ایجاد ہونے کے سبب اپنی غذائی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے خونخوار جانوروں سے ٹکر لیتا تھا۔ بھارت کی مشہور رزمیہ تخلیق، مہا بھارت، میں پانڈوں کے جنگجو ابھیمنوں کی دشمن کے کیمپ میں سات کورووں کے سات جنگ کا ذکر ہے وہ آخری دم تک بہادری کے ساتھ لڑتا رہا "نارتیر" میں بھی بھگوان کرشن نے کبڈی جیسا ہی کھیل کھیلا ہے

کبڈی کے قاعدے ۱۹۲۳ء میں بنائے گئے تھے ۱۹۵۰ء میں انڈین نیشنل فیڈریشن آف کبڈی کا جنم ہوا اور سائنسی بنیادوں پر اس کھیل کے اصول وضع کئے گئے۔

کبڈی چھوٹے سے میدان میں کھیلی جاتی ہے لیکن یہ میدان مسطح ہونا چاہئے اس میں کسی طرح کے ساز و سامان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہر ٹیم میں بارہ کھلاڑی ہوتے ہیں سات پالے کے اندر رہتے ہیں اور پانچ کھلاڑی ریزرو میں رہتے ہیں۔ کھیل کا نصف حصہ ۲۰ منٹ کا ہوتا ہے یالا بدلنے اور آرام کرنے کے لئے پانچ پانچ منٹ کے تین وقفے ہوتے ہیں۔ مخالف ٹیم کے ایک کھلاڑی کے مرنے پر دوسری ٹیم کا ایک مرا کھلاڑی پھر کھیل میں شامل ہو جاتا ہے اور اس ٹیم کا ایک پوائنٹ بن جاتا ہے جو ٹیم سب سے زیادہ کھلاڑی مارتی ہے یا پکڑتی ہے وہ فاتح سمجھی جاتی ہے۔ کھیل کے لئے ریفری دو امپائر، اور پوائنٹس کا حساب رکھنے کے لئے ایک اسکورر ہوتا

کھیل کا میدان

کھیل کے میدان کے چاروں اطراف لکیریں حدیں کہلاتی ہیں میدان کے دونوں جانب پٹری کو لابی کہتے ہیں ۱۳ × ۱۰ میٹر کے مستطیل میدان (خواتین کے لئے ۱۱ × ۸) کو درمیان میں موجود ایک لائن دو مساوی حصوں میں تقسیم کرتی ہے میدان کا آدھا حصہ پالا کہلاتا ہے۔ میدان کی درمیانی لائن کے متوازی دو جانب تین تین میٹر کی دوری پر (مردوں کے لئے) اور ڈھائی میٹر کی دوری پر جونیئر مردوں اور خواتین کے لئے چک لائن ہوتی ہے۔

کھیل

جب سات کھلاڑیوں کی پوری ٹیم میدان میں ہوتی ہے تو رائٹ ان سینٹر اور لیفٹ ان دفاع کا کام کرتے ہیں۔ ٹیم کی اصلی مضبوطی دونوں کونوں کے کھلاڑیوں اور رائٹ آؤٹ و لیفٹ آؤٹ پر منحصر ہوتی ہے

یہ حالت زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتی کیونکہ مخالف ٹیم جن کھلاڑیوں کو مار دیتی ہے انھیں پالا چھوڑ کر اس وقت تک باہر رہنا پڑتا ہے جب تک انھیں دوبارہ ٹیم میں شامل ہونے کا موقع نہیں ملتا اس لئے کھلاڑیوں کا متعینہ مقام صرف بچاؤ کے لئے ہوتا ہے۔ ضرورت کے مطابق بچاؤ کرنے والا کوئی بھی کھلاڑی حملہ آور کی جگہ بھی سنبھالتا ہے۔

کھیل کی شروعات

جو ٹیم پہلے حملہ کرنا چاہتی ہے وہ مخالف ٹیم کے پالے میں حملہ آور بھیجتی ہے حملہ آور کبڈی کبڈی کہتا ہوا مخالف ٹیم کے پالے میں داخل ہوتا ہے اور کھیل شروع ہو جاتا ہے۔ اپنے پالے میں محفوظ لوٹنے سے پہلے وہ مخالف ٹیم کے زیادہ سے زیادہ کھلاڑیوں کو چھونے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ مر جائیں۔

اس دوران مخالف ٹیم کے کھلاڑی اسے دبوچنے اور سانس ٹوٹنے سے پہلے اسے اپنے پالے میں پہنچنے سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب یہ حملہ پورا ہو جاتا ہے تو مخالف ٹیم کے حملہ کرنے کی باری آتی ہے اس طرح کھیل ختم ہونے تک اپنی ہر ٹیم باری باری اپنے حملہ آور کو مخالف ٹیم کے پالے میں بھیجتی ہے۔ ہر کھلاڑی کے مرنے پر مخالف ٹیم کو ایک پوائنٹ ملتا ہے۔ جب ایک ٹیم مخالف ٹیم کے سبھی کھلاڑیوں کو آؤٹ کر دیتی ہے تو کامیاب ٹیم کو ایک "لونا" ملتا ہے اور سبھی کھلاڑی اپنے پالے میں واپس آجاتے ہیں اور کھیل جاری ہو جاتا ہے

جب ایک کھلاڑی آؤٹ کر دیا جاتا ہے تو وہ پالا چھوڑ کر پالے کے پیچھے ویٹنگ بلاک میں بیٹھ جاتا ہے اور جب مخالف ٹیم کا کوئی کھلاڑی آؤٹ ہو جاتا ہے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے اور پھر سے واپس آکر اپنے پالے میں کھیل شروع کر دیتا ہے۔

ایک باری ختم ہونے پر پانچ منٹ کا وقفہ دیا جاتا ہے پھر ٹیمیں پالا بدلتی ہیں اور دوسری باری شروع ہو جاتی ہے۔ کھیل کے آخر میں جو ٹیم سب سے زیادہ پوائنٹس حاصل کرتی ہے وہی فاتح مانی جاتی ہے۔

(بہ شکریہ اسپیشل آرگنائزنگ کمیٹی۔ ایشیاڈ)

مضمون نگار حضرات کیلئے

تعلیمی تربیتی اور معلوماتی مضامین میں عام لوگوں کے لئے دلچسپی ہونی ضروری ہے

مضامین اوسطاً ایک ہزار الفاظ پر مشتمل ہونے چاہئیں۔ ترجمہ شدہ مضامین میں اصل کا حوالہ دینا چاہئے۔ آخری انتخاب مضمون، نیز اس کی تاریخ اشاعت کا فیصلہ مشاورتی بورڈ اور ادارہ پر منحصر ہوگا۔

مضمون میں متعلقہ تصویر یا خاکہ بھی دیا جا سکتا ہے۔ مضمون نگار حضرات الگ کاغذ پر اپنے تعارف، مثلاً عہدے یا منصب اور تعلیم و تربیت، ڈگری، یا تجربے کے متعلق بھی سات آٹھ سطریں تحریر فرما کر ضرور بھیجیں۔ (ایڈیٹر)

سگریٹ نوشی ترک کرنے کے اسباب

سگریٹ وبال ہے۔ اس سے انسان مہلک بیماریوں کا شکار ہوتا ہے۔ یہ بات اتنی عام ہے کہ خود سگریٹ پینے والے بھی بیان کرتے ہیں مگر اس کے باوجود لوگ اسے ترک نہیں کرتے۔ وہ کون سے اسباب ہیں جن کی بدولت انسان اس بری عادت سے الگ نہیں ہونے پاتا؟ اس کے بارے میں قطعی جواب دینا تو میرے لیے مشکل ہے البتہ اتنا ضرور عرض کردوں گا کہ جس عادت کا ہر تیسرا آدمی عملی نمونہ ہو اور جس کے فروغ میں اخبار، ریڈیو اور ٹیلیویژن رات دن لگے ہوں اس سے خود کو الگ رکھنا ہمت کا کام ہوتا ہے۔ میں نے سگریٹ نوشی کیسے ترک کی ہے اس کو بیان کرنے سے پہلے اپنے متعلق کچھ بتا دوں۔

میں ایک طالب علم ہوں اور میری عمر ۲۳ سال ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ آج کل سگریٹ نوشی فیشن بن گئی ہے اور طلبہ کے درمیان تو اس کی اہمیت یہ ہے کہ جو سگریٹ نہیں پیتے انھیں طالب علم ہی نہیں سمجھا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ یونیورسٹی، کالج اور اب اسکولوں میں یہ زندگی کا ایک اہم جزو بن گئی ہے۔ نوجوان نسل جس شدت سے اس بری عادت میں الجھی ہوئی ہوئی ہے اس کی مثال دینا میرے لیے ممکن نہیں۔ میری سگریٹ نوشی کا آغاز بھی انھیں اسباب کے زیر اثر ہوا۔ میرے کلاس فیلو سگریٹ پیتے تھے۔ ان کی دوستی میں مجھے بھی پیش کش ہوئی۔ میں نے اپنے ہم عمر دوستوں کی بات مان لی اور آہستہ آہستہ اس کے چنگل میں پھنس گیا۔ جب میں نے پہلی بار سگریٹ پی تو مجھے بہت ہی عجب محسوس ہوئی۔ اس کیفیت کو میں آسان لفظوں میں سرور کہہ سکتا ہوں۔ اس سرور کو مزید حاصل کرنے کے لیے میں رفتہ رفتہ باقاعدگی سے سگریٹ پینے لگا اور پھر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ میں ایک دن میں پانچ چھ پیکٹ سگریٹ پینے کے بعد بھی تشنگی محسوس کرتا۔ اس دوران میرے بعض مخلص اور ہمدرد دوستوں نے مجھے سگریٹ چھوڑنے اور کم کرنے کے مختلف طریقے بتائے مگر میں نے کسی پر توجہ نہ دی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ میں سگریٹ کے بغیر شدید بے چینی

محسوس کرتا تھا۔ نتیجہ یہ کہ سگریٹ سے میری صحت مسلسل خراب ہوتی جا رہی تھی اور میں شدید کھانسی کا شکار ہو چکا تھا۔

۴ مارچ ۱۹۷۷ء کو جب میں صبح سویرے اٹھ کر غسل خانے گیا اور برش کرنے کے لیے اپنا منہ کھولا تو اچانک سامنے دیوار پر لگے ہوئے آئینے میں دانت نظر آئے جو کتھئی رنگ کے ہو گئے تھے میں نے برش سے دانتوں کو خوب رگڑا مگر دانت صاف نہ ہوئے اسی لمحے مجھے احساس ہوا کہ جب سگریٹ نوشی نے ان مضبوط دانتوں کا یہ حال کر دیا ہے تو میرے پھیپھڑوں کی حالت کیا ہو گی۔ وہ تو گوشت پوست کے ہیں۔ پھر میں نے اپنی انگلیوں کو دیکھا، یہ بھی پیلی ہو گئی تھیں۔ بس میں نے اسی لمحے سگریٹ ترک کرنے کا فیصلہ کیا۔

یہ صبح میرے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس صبح میرے اندر ایک نیا اعتماد پیدا ہوا اور میں نے کبھی سگریٹ نہ پینے کا وعدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور اس دن کے بعد آج تک میں اس مہلک چیز سے الگ ہوں۔ سگریٹ ترک کرنے کے عہد کے بعد مجھے اپنے آپ سے بھی عرصے شدید جنگ کرنا پڑی۔ سگریٹ کی طلب نے بہت زیادہ پریشان کرتی تو میں ایک گلاس پانی پی لیتا تھا۔ اس طرح مجھے کافی تسکین ہو جاتی۔ اب میرے دانت کافی صاف ہو چکے ہیں۔ انگلیاں بھی صاف ہیں اور کھانسی ختم ہو گئی ہے۔ میری صحت بھی کافی بہتر ہو چکی ہے

مجھے سگریٹ نوشی ترک کرنا بہت آسان ہے

البتہ اپنے نفس کو قابو میں رکھنا مشکل ہے۔ مگر جو لوگ نفس کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں وہ ہر اعتبار سے تباہی اور پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ خداوند کریم سے میری دعا ہے کہ جس طرح میں نے اس بری عادت سے نجات پائی ہے اسی طرح میرے دوسرے طالب علم ساتھی بھی نجات پا لیں۔

پیغمبر اسلام نے ہر نشہ کرنے والی چیز کے استعمال کو منع فرمایا ہے۔ اس سے نہ صرف صحت خراب ہوتی ہے بلکہ فضول خرچی بڑھتی ہے اور عبادت میں خلل پیدا کرتی ہے۔ ☆☆

مولانا محمد عبید اللہ بن احمد علی القاسمی بستی

اور غربت جیت گئی

افسانہ

آج راشد بہت زیادہ پریشان تھا۔ آج وہ زندگی کے اس دوراہے پر کھڑا تھا جہاں اس کو اپنی زندگی اپنے مستقبل کا اہم ترین فیصلہ کرنا تھا... ایک ایسا فیصلہ... جس کا تعلق اس کے مستقبل سے تھا جو فیصلہ اس کو ایک روشن مستقبل دے سکتا تھا تو اس کی ایک معمولی سی لغزش اس کے مستقبل کو تاریک گڑھوں میں دھکیل سکتی تھی..."

"آج وہ ایک ایسے دوراہے پر کھڑا تھا جس کے ایک طرف فرزانہ کھڑی تھی تو دوسری طرف رضوانہ اس کی چشم عنایت کی منتظر تھی۔ فرزانہ ایک امیر باپ کی بیٹی تھی۔ اس کے چال چلن، اس کے رہن سہن، اس کی نشست و برخاست میں امیرانہ ٹھاٹھ باٹ تھا اس نے اپنی زندگی میں غریبی اور مفلسی نام کی کوئی چیز نہیں دیکھی تھی... بچپن سے ہی نازوں میں پلی تھی۔ اس کے ایک اشارے پر کئی نوکرانیاں ہر وقت منتظر رہتی تھیں کیونکہ اس کے والد کا شمار شہر کے امیر ترین لوگوں میں ہوتا تھا... فرزانہ کے نجی استعمال کے لئے اس کے گھر کے نیچے ایک علیحدہ امپورٹیڈ کار کھڑی رہتی تھی..."

"لیکن بیٹی آخر کار پرایا دھن ہوتی ہے اس کو ایک نہ ایک دن میکے سے جانا ہی ہوتا ہے... اور والدین کو خواہ وہ امیر ہوں یا غریب لڑکی کی پیدائش سے ہی اس کی شادی کی فکر میں لگ جاتے ہیں اور یہی اسلام کا تقاضہ بھی ہے کہ جیسے ہی لڑکی جوان ہو جائے اور کوئی مناسب رشتہ مل جائے تو اس کی شادی میں بالکل تاخیر نہ کی جائے...؟

اسی وجہ سے اس کے والدین کو تلاش ہوتی ہے۔ ایک کھاتے پیتے گھرانے کی... ایک اچھے اور باصلاحیت ہونہار لڑکے کی"

آج فرزانہ کے والد سیٹھ ناصر بھی ایک عدد داماد کی تلاش میں تھے... انکی تجربہ کار نگاہیں ایک ایسے داماد کی تلاش میں تھیں جو خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ خوب سیرت بھی ہو تندرست و توانا بھی ہو... اور تعلیم یافتہ بھی ہو... اور سب سے بڑھ کر ان کو ایک ایسے داماد کی تلاش تھی جو خود انکے ساتھ رہ سکے انکی اکلوتی بیٹی کو ان سے جدا نہ کرے اور چونکہ فرزانہ ہی انکی اکلوتی بیٹی تھی اس لئے مستقبل میں ان کا داماد ان کے کاروبار میں بھی ہاتھ بٹائے۔"

لہذا ان تمام شرائط کے ساتھ انکی نظر صرف ایک شخص پر پڑی اور ان کی نظر انتخاب نے ان کو یقین دلا دیا کہ راشد ہی وہ نوجوان ہے جس میں وہ تمام خوبیاں بدرجۂ اتم موجود ہیں جس کی انہیں تلاش تھی... وہ خوبصورت بھی تھا اور خوب سیرت بھی... اور تندرست و توانا بھی... اور ان سب سے زیادہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا اس نے بزنس میں خاص ڈپلومہ حاصل کیا تھا اور سیٹھ ناصر کو جس بات پر کامل یقین تھا کہ راشد سے یہ رشتہ ضرور ہو جائے گا وہ راشد کی غریبی تھی راشد نے ایک متوسط خاندان نے آنکھیں کھولی تھیں۔ اس نے ایک درمیانہ زندگی گذاری تھی اس نے بھی اپنی زندگی... اپنے مستقبل کے لئے کئی حسین سپنے سجا رکھے تھے۔ وہ بھی اپنے خیالوں کی دنیا میں اونچی اونچی اڑانیں بھرا کرتا تھا..."

کبھی کبھی اس کی باتوں سے اس کے خیالات کی جھلک نظر آ جاتی... اس کے والد فوراً اس کو یہ بتا دیتے... کہ بیٹے... انسان کی زندگی میں عزت سب کچھ ہے،

عزت ہی انسان کی زندگی کا انمول سرمایہ ہے ... مانا کہ دولت زندگی کے لئے بہت ضروری ہے ... لیکن ... وہ دولت جو عزت کے بدلے حاصل کی جائے اس سے وہ مفلسی کہیں درجہ بہتر ہے جس کے بدلے عزت کی دولت نصیب ہو ... اور یہی تعلیم راشد کو ہمیشہ سے ملتی رہی ہے اور راشد کی اس کمزوری کو دیکھ کر ناصر سیٹھ کو جیسے یقین تھا کہ راشد اور اس کے گھر والے اس رشتہ کو ضرور مان لیں گے وہ اپنی لاڈلی بیٹی کو جہیز میں ایک امپورٹڈ کار، ایک عالی شان بنگلہ جس میں وہ خود رہتے تھے اور بزنس کا فقٹی پرسنٹ شیر بھی دینے کو تیار تھے ... "

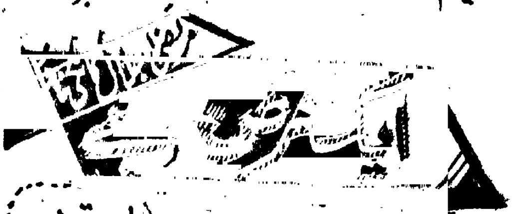
لیکن دوسری طرف رضوانہ تھی۔ وہ ایک متوسط خاندان کی لڑکی تھی۔ اس کے والد ایک بینک میں ملازم تھے۔ سات سو روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی ان کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ وہ اپنی زندگی سکون سے گذار رہے تھے۔ رضوانہ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکی تھی ... وہ کالج میں پڑھتی تھی تندرست اور خوبصورت تھی۔ اس کے والد کو رات دن ایک فکر کھائے جا رہی تھی، وہ رات دن اس غم میں گھلے جا رہے تھے ان کی بیوی نے انہیں کئی بار سمجھایا کہ جو اللہ کرے گا وہ بہتر ہی کرے گا ... مگر پھر بھی وہ ایک باپ تھے وہ کیسے اس فکر سے سبکدوش ہو سکتے تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ آجکل لڑکیوں کی شادیاں انکی تعلیمی لیاقت ان کا حسن انتظام، ان کی امور خانہ داری سے واقفیت، ان کی دینداری، ان کی حیا، ان کے حسن کردار کو دیکھ کر نہیں کی جاتی۔ بلکہ لڑکے والے سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ لڑکی کا گھرانہ مالی اعتبار سے کتنا مضبوط ہے۔ اور وہ جہیز میں کیا کچھ دے سکتا ہے وہ لڑکے کی تعلیم کے اخراجات کا بھی اندازہ اور حساب لگا کر رکھتے ہیں ... اسی قسم کے خیالات ہمہ وقت رضوانہ کے والد کو پریشان کئے ہوئے تھے۔ وہ تلاش میں تھے ایک ایسے لڑکے کی ... ایک ایسے گھرانے کی کہ جو درمیانہ حیثیت کا ہو ... اور انہی جیسے خیالات رکھتا ہو ... جس لڑکے کو صحیح معنوں میں ایک بیوی کی اور جس کے والدین کو ایک بہو کی ضرورت ہو اور وہ اپنی بہو کے گلے میں زیورات (سونے) دیکھنے کے متمنی نہ ہوں۔ بلکہ حیا کے زیور سے آراستہ ہو ان کی بہو ... " ان کو ایسی بہو کی تلاش نہ ہو، جو نام کی تو بہو ہو ... مگر گھر میں ہر ایک پر اپنا رعب جمانے کے لئے مالکن بنکر آئے ... اور اس کا سارا وقت شاپنگ ... میک اپ ڈریسنگ اور ہوٹلوں، کلبوں میں گذرتا ہو ... بلکہ انہیں ایک ایسی بہو کی تلاش ہو ... جو ان کی بہو کم اور لڑکی زیادہ ہو ... "

ساس سسر کی فرماں بردار ہو ... اور شوہر کی جانثار ہو۔ وہ صحیح معنوں میں گھر کے لئے ایک رحمت بن کر آئے۔ اس کے آنے سے گھر میں ایک رونق آجائے امور خانہ داری سے اسے پوری واقفیت ہو اور وہ ہر اعتبار سے ایک مسلمان بیوی کا ایک نمونہ ہو"

خریدار اور ناظرین کے لئے

فوراً ۲۰ بیس روپے کا منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر ارسال فرما کر خود انفرادی طور پر اس کے رکن خریدار بنیں اور دوسرے احباب اور اداروں سے کثیر خرید کے آرڈر بھجوائیں یہی اس کی زندگی کی ضمانت ہے۔
اسکولوں، کالجوں، لائبریریوں اور دارالمطالعوں، کلچرل اور اداروں اور جماعتوں کو اس کا خریدار بنوائیے۔
آپ خود اس میں اشتہار دیجئے۔ اور اپنے احباب اور زیر اثر دفاتر، محکموں، اداروں اور صنعتوں و کارخانوں اور دیگر مشتہرین سے اشتہارات دلوائیے، جس میں اس رسالہ کی تقویت اور استحکام پوشیدہ ہے۔ اس بنیاد پر ہم اس شمع کو باد مخالف سے محفوظ رکھ سکیں گے اور خود آپ کے لئے اس میں اشتہار دینا مفید، نفع بخش اور شہرت کا باعث ہوگا
اپنے حلقے کے ایجنٹ حضرات اور مشتہرین کو فوری توجہ دلا کر رابطہ قائم کرائیں۔ نیز خود بڑی تعداد میں رسالہ خرید کر آگے تقسیم یا فروخت کریں۔ اس صورت کمیشن بھی بڑی مقدار میں مل سکتا ہے۔





جس کے دو رسے پڑتے ہیں

کوئی پڑھا لکھا یا ان پڑھ ایسا نہیں ہوگا جو شطرنج کو نہ پہچانتا ہو۔ مگر اسے ہر شخص نہیں کھیل سکتا۔ یہ کھیل چند مخصوص قسم کے لوگوں کو ہی راس آتا ہے اور جب چند قسم کے لوگ شطرنج کو راس آجاتے ہیں۔ تو پھر وہ دنیا میں کسی اور مصرف کے نہیں رہتے۔ علاوہ ازیں جو شاہانہ مزاج رکھتے ہیں بہت زیادہ فرصت رکھنے والے افراد عقل مند جنگجو یا کند ذہن یا موقع بے موقع دھرنا مار کر بیٹھنے والے لوگوں کو جنہیں شطرنج راس آجاتی ہے۔ شاطر کہتے ہیں۔

شطرنج کا کھیل دوسرے بعض کھیلوں کی طرح کبھی پیشہ نہیں بن سکا اس لئے کہ اس میں نہ جسمانی مشقت کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ اس زندگی کی کوئی افادیت ہے انتہائی لاپرواہی یا حاتم طائی کی سی فیاضی کے ساتھ وقت کو گذارنے والا کھیل ہے جس کے آغاز سے پہلے ہی انجام کا خوف آخری وقت تک رہتا ہے۔ شطرنج کا تمام تر دارومدار لکڑی کے ایک چوکور ٹکڑے پر ہوتا ہے۔ جسے بساط کہا جاتا ہے اس پر سفید اور سیاہ رنگ کے ۶۴ خانے ہوتے جو میدان جنگ کی کمیں گاہوں کا کام دیتے ہیں۔ انہی خانوں میں لکڑی کی بنی ہوئی دو مخالف (سفید و سیاہ) فوجیں رکھی جاتی ہیں ہر فریق کی فوج میں آٹھ سپاہی دو ہاتھی دو گھوڑے اور دو اونٹ ہوتے ہیں اور ان کے علاوہ ایک وزیر اور ایک بادشاہ بھی ہوتا ہے بادشاہ اور وزیر کے علاوہ تمام فوجوں کو مہرے بھی کہا جاتا ہے۔ بساط پر مخالف فریق کو شکست دینے کے لئے یا شکست سے بچنے کے لئے شاطر جتنی بھی چالیں چلتا ہے وہ بادشاہ اور وزیر کو بچانے کے لئے اور یہ بے چارہ وزیر یا بادشاہ بساط پر ہار جیت کی شکل میں معزول ہی رہتا ہے۔

شطرنج کی صحیح اور مستند تاریخ کا سراغ نہیں ملتا بہت سے ممالک اس دلچسپ کھیل کے موجد ہونے کے دعویدار ہیں اور ان میں یونان، مصر، ایران اور ہندوستان خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان میں سب سے قدیم سراغ صرف ہندوستان سے ہی ملتا ہے۔ آریوں کے زمانے میں کتابوں میں شطرنج کا ذکر "چاتورنگا" کے سنسکرت کے لفظ سے ملتا ہے جس کے معنی ہیں چار بازو (فوج) یہ چاروں بازو پیدل ہاتھی سوار، گھوڑ سوار اور اونٹ سوار کو ظاہر کرتے ہیں۔

فردوسی نے اپنی کتاب "شاہ نامہ" میں شطرنج کے جغرافیہ پر اس طرح روشنی ڈالی ہے کہ نوشیرواں خسرو کے زمانہ میں ایک ہندوستانی سفیر اپنے ہمراہ اس کھیل کا ساز و سامان لایا۔

اور ایرانی بادشاہ کو چیلنج کیا اس کھیل کے راز ہائے سربستہ بتائے اور ہار جانے کی صورت میں معاوضہ یا انعام عطا کرے۔ بادشاہ نے سات دن کی مانگی ہوئی مہلت میں ایران کے بہترین دماغوں کو اس کھیل کی تحقیق و انکشاف پر مامور کیا۔ لیکن یہ سب ناکام رہے ساتویں دن وزیر شطرنج کی بساط اور اس کے تمام مہروں کو اپنے گھر لے گیا۔ ایک دن اور ایک رات کی مسلسل دماغ سوزی کے بعد وہ اس کے تمام اصولوں کو سمجھ گیا۔ اس کے جواب میں ایرانی وزیر نے اپنا ایک کھیل

ایجاد کیا اور ہندوستان بھیج کر جوابی چیلنج کیا۔ لیکن اسے کوئی ہندوستانی حل نہ کر سکا

سنسکرتی "چاتورنگا" جب ایران پہنچا تو اس نے جغرافیائی تبدیلی کے مطابق "چیت رنگ" کا لقب پایا لیکن وہاں بھی یہ کھیل جنگ و جدل اور شکست و فتح کے شاہانہ اصولوں پر قائم رہا۔ آج بھی اس کی یہی حیثیت ہے، ایران میں جب عربوں کا اقتدار آیا تو اب "چیت رنگ" کے بجائے اس کو شطرنج کہا گیا (دراصل عربی زبان میں چ اور گ کی آوازیں نہیں ہوتیں ہیں) اس طرح شطرنج کے بہت سے دعویدار مالک ہیں۔ اور اب یہ دنیا کے ہر خطہ میں موجود ہے۔ ان ملکوں میں بھی جہاں بادشاہوں سے نفرت کی جاتی ہے اور وہاں بھی جہاں بادشاہت کی حفاظت کے لئے ہر قسم کی جنگی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔

کسی سیاسی مدبر سے جب دنیا میں بادشاہت کے مستقبل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اس نے جواب دیا۔

" دنیا میں کہیں نہ کہیں بادشاہت ضرور قائم رہے گی اور ہمیشہ قائم رہیں گے۔

لیکن صرف شطرنج کی بساط پر — جس [illegible] سیاست پر بھی شطرنج طاری ہے — بلکہ یوں [illegible] کہ سیاست چاہے قدیم ہو یا جدید شطرنج کا ہی دو[illegible] ہے سیاست کا بغور مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں بھی بالکل شطرنج کی سی چالیں چلنی پڑتی ہیں — ایک دوسرے کو نیچا دکھانا۔ ایک دوسرے کو شکست دینا اور مقابلے میں ہار جیت کا ماحول پیدا کرنا یہ سب کچھ شطرنج کی بساط کے طفیل ہے۔ اور یوں بھی شطرنج کے مخصوص اور مشہور محاورے سیاست میں رائج ہیں مثلاً حکومت کی بساط الٹنا۔ پارٹی کے مہروں کا پٹنا — مخالفین کو مات دینا وغیرہ وغیرہ

شطرنج کا سب سے زیادہ شوق روس میں پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہاں کھیل کا انسٹی ٹیوٹ قائم ہے۔ روس میں شطرنج کے کھلاڑیوں یا شاطروں کی تعداد بیس لاکھ سے بھی زیادہ ہے اور یہ اعز[از] بھی روس کو ہی حاصل ہے کہ تاشقند کے ایک شاطر کو کئی بار شطرنج کا عالمی چمپین تسلیم کیا گیا۔

۱۹۶۳ء میں وہاں شطرنج کا ایک مقابلہ جو پورے ماہ تک جاری رہا۔

عالمی چمپین بوٹ رنگ ۱۹۴۸ء سے مسلسل ا[ن] مقابلوں کو جیت رہا تھا مگر کھیل کے بعد جب کھلاڑیو[ں] کی شکلیں دیکھی گئیں تو ان میں سے ایک کی عمر دس سال [زیادہ] ہوئی معلوم ہوتی تھی اس کے چہرے پر جھریاں ابھر آئی اور دوسرے کھلاڑیوں کا وزن دس پونڈ کم ہو چکا تھا

شطرنج کا موجودہ کھیل جس طرح کا ہے اس میں [illegible] کی زبردست اہمیت ہوتی ہے۔ ہر شاطر اس چکر میں [رہتا] ہے کہ وہ کوئی ایسی چال چلے کہ اپنا مہرہ بھی محفوظ [رہے] اور دوسرے کے مہرے اور خاص طور پر وزیر اور بادشاہ کو مات دے دے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ہر کھلاڑی [illegible] بساط کے سامنے بیٹھ کر نئی بالکل نئی اور منہ توڑ چال چلنے کی فکر میں ڈوبا رہتا ہے۔ لیکن بالآخر وہ ایک ایسی چال پر مجبور ہو جاتا ہے، جو اس سے پہلے خود اس کی یا کسی "ش[اطر]" کی چلی ہوئی ہے۔ آج شطرنج صرف دیوان خانوں اور [illegible] [illegible] ریڈیو سے ٹیلی گراف [illegible] [illegible] پہنچ گئی ہے جہاں سے صرف ان مقابلوں کی کیفیت بیان کی جاتی ہے۔ بلکہ سیاست کا ذکر کر[تے ہوئے] شطرنج کے مخصوص محاوروں کو استعمال کرنا پڑتا ہے محاورے تقریباً ہر زبان میں موجود ہیں اور مستعمل [ہیں]

اگر آپ کوئی محاورہ نہیں جانتے ہیں تو آ[پ] مات کھا گئے اور آپ کی بساط الٹ گئی۔

کیا آپ جانتے ہیں

قرآن مجید میں حروف تہجی مندرجہ ذیل مرتبہ استعمال ہوئے ہیں۔

ا :- ۴۸۹۹۲ ب :- ۱۲۲۲۸ ت :- ۲۲۰۴
ج :- ۴۲۳۴ خ :- ۲۱۰۵ د :- ۹۲۷۲
ح : ۹۲۱۱ م :- ۵۱۵۲۶ ن :- ۴۹۱۹۰
ل :- ۹۳۵۲۰ ک :- ۱۰۶۰۸

- قرآن پاک کے کل حروف ۳۲۳۷۶۰ ہیں
- قرآن شریف کی کل زبریں ۔ ۵۳۲۲۳ ہیں
- قرآن پاک کی کل تشدیدیں ۱۲۴۷ ہیں۔
- قرآن پاک میں کل ۲۵ مقامات پر "محمد رسول اللہ" آیا ہے۔
- قرآن پاک میں ۲۵ انبیاء علیہم السلام کا نام آیا ہے۔
- قرآن پاک میں "امام" کا لفظ ۱۲ جگہ آیا ہے۔
- قرآن پاک میں ۱۰۵۰۰۳۰ نقطے ہیں۔
- قرآن پاک میں کل ۱۱۴ سورتیں ہیں۔
- سب سے زیادہ احکام اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی سورۃ "سورۃ بقرہ" میں بیان فرمائے ہیں۔
- قرآن پاک کی واحد صورت "سورۃ اخلاص" ہے جس میں صرف ایک زیر آتی ہے
- اسلامی فوج کے پہلے باقاعدہ پرچم کا رنگ سفید تھا۔
- اسلام کے سب سے کمسن سپہ سالار حضرت اسامہ بن زید تھے۔
- حضرت عیسٰی کے ساتھیوں کو "حواری" کہا جاتا ہے۔

جوابات کوئز نمبر ۱ | انعامی مقابلہ | کوئز نمبر ۲

سوال ——— جواب

(۱) ——— انگلستان

(۲) ——— سمرقند

(۳) ——— ۱۹۲،۹۵۰،۰۰۰

(۴) ——— ۸ منٹ ۲۰ سکنڈ

(۵) ——— جابر بن حیان

(۶) ——— اوپلا پھول

(۷) حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔

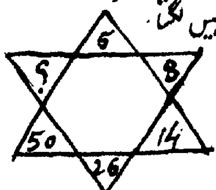
(۸) آپ کے والد محترم کا نام عبداللہ تھا۔

(۹) ——— ۲۵۶۴ زبانیں

(۱۰) — پندرہویں صدی کے مقاصد صفحہ نمبر پر ملاحظہ فرمایئے۔

———

۱۔ غزوۂ بدر کس ہجری تاریخ کو ہوا؟
۲۔ کبڈی کے لفظی معنی کیا ہیں؟
۳۔ سکندر اعظم کے استاد کا نام کیا ہے؟
۴۔ ہائیڈروجن کے لفظی معنی کیا ہیں؟
۵۔ الیکٹرک بیٹری کے موجد کا نام کیا ہے؟
۶۔ ایمپائر بلڈنگ کس ملک میں واقع ہے؟
۷۔ شیر افگن کا خطاب کس نے کس کو دیا تھا؟
۸۔ کونسا درخت سب سے زیادہ مدت تک پھل دیتا ہے
۹۔ اتوار کی ہفتہ وار چھٹی کب سے شروع ہوئی؟
۱۰۔ ناریل کے درخت کی طرح کے کسی درخت کا نام بتایئے جس پر پھل نہیں لگتا۔



صحیح جواب بھیجنے والے کو ایک ڈکشنری بطور انعام دی جائیگی جوابات کے ساتھ مختصر الفاظ میں یہ بھی لکھئے کہ پندرہویں صدی آپکو کیوں پسند ہے

اپنے جوابات کے ساتھ ۵۰ پیسے کا ڈاک ٹکٹ بھیجنا نہ بھولیں تاکہ انعام بھیجنے میں آسانی ہو۔

نام . . . .

پتہ . . . .

پن کوڈ

ماہنامہ پندرہویں صدی دہلی کہاں سے خریدیں

ماہنامہ پندرہویں صدی ہندوستان کے ہر شہر اور ہر قصبہ میں مل سکتا ہے۔ مندرجہ ذیل شہروں اور قصبوں میں بک ڈپو اور نیوز پیپر ایجنٹس سے خرید سکتے ہیں۔

دہلی :۔ تمام بک اسٹالوں سے خریدا جا سکتا ہے۔

مرادآباد۔ فراست بک ڈپو گھوکھرائن اسٹریٹ مرادآباد۔ یوپی

امروہہ :۔ شاکر بک ڈپو محلہ شفاعت پوتہ امروہہ

رامپور :۔ رشید احمد خاں بک سیلر بازار نصراللہ خاں رامپور۔ یوپی

سہارنپور۔ تنمیر بک ڈپو قطب شیر سہارنپور یوپی

کانپور :۔ منظور الحسن نیوز پیپر ایجنٹ ۸۸/۹۸ تین گنج کانپور

حیدرآباد۔ نیشنل نیوز ایجنسیز ۹۷۵۔ 3۔۱۹۰ علی آباد حیدرآباد

بمبئی :۔ برائٹ نیوز پیپر ایجنسی بالمقابل براڈوے سینما دادر بمبئی نمبر ۱۴

کلکتہ :۔ محمد الیاس نیوز ایجنسی پیپر ایجنٹ ۹۱ کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ

سرینگر :۔ سیکنڈ نیوز ایجنسی لال چوک سرینگر کشمیر

خوشبو ایک عرصہ تک اہل ادب کے مشام جاں کو معطر کرتی رہے گی۔

طرب
امروہوی

تبصرہ

ض۔ رخ۔ طرب۔ امروہوی

نام کتاب

"لہو رنگ"

مصنف :۔ سیفی امروہوی

ناشر زبیر امروہوی۔ زیر اہتمام کل ہند انجمن ترقی اردو۔ (شاخ امروہہ) ضخامت ۱۵۸ صفحات۔ قیمت :۔ پندرہ روپے

ملنے کا پتہ۔ زبیر ابن سیفی۔ محلہ سدہ امروہہ یوپی

حضرت سیفی امروہوی اردو کی کلاسیکل غزل کے ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔

حال ہی میں ان کا پہلا مجموعۂ غزلیات انجمن ترقی اردو (شاخ امروہہ) کے زیر اہتمام لہو رنگ کے نام سے چھپ کر شائع ہوا ہے۔

اس دور میں جب کہ غزل کا بانکپن مجروح ہو چکا ہے۔ سوز و گداز جو غزل کا طرۂ امتیاز ہے غزلیات سے مفقود ہوتا جا رہا ہے اور غزل کا روایتی لب و لہجہ بھی تبدیل ہو گیا ہے "لہو رنگ" کی غزلیات میں روایتی کلاسیکی غزل کا حسن اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ نمایاں ہے "لہو رنگ" کے اشعار جذبات میں ڈوبے ہوئے اور تغزل کے صحیح آئینہ دار ہیں۔

سیفی صاحب ایک مدت مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے آئے ہیں اور ان کے اشعار بھی اسی جد و جہد کے آئینہ دار! سیفی صاحب بجا طور پر مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنی مصائب بھری زندگی اور شدید محرومیوں کے باوجود کشت سخن کو اپنے خون دل سے سیراب کیا اور ایسے گل و بوٹے کھلائے کہ جن!

عفت زریں

غزل

نقش بہتے ہوئے پانی پہ بنانا چاہوں
میں ہواؤں میں چراغوں کو جلانا چاہوں

تبصرہ اپنی تباہی پہ میں اُن کا چاہوں
رنگ چہرے کا بدلتے ہوئے دیکھا چاہوں

فرد کا رنگ جماعت سے بھی گہرا چاہوں
جس میں ہر شخص برابر ہو وہ دنیا چاہوں

یہ کوئی عشق نہیں یہ کوئی تہذیب نہیں
ایک ذرّے کے عوض وسعتِ صحرا چاہوں

یہ تیرا حسنِ جہاں تاب، یہ اندازِ نظر
غیر ممکن ہے کہ میں ہی تجھے تنہا چاہوں

ایک لمحہ بھی تو ملتا نہیں مجھ کو زرّیں
اور میں درد کے صحرا میں بکھرنا چاہوں

بقیہ کامیابی قدم چومے گی

کوشش کی وہ تباہ ہو گیا۔ اس کے برعکس جس نے ملبنڈ کو چھوڑ کر دوسرے میدان میں مقابلہ کی کوشش کی وہ آخرکار نہ صرف ملبنڈ کا مالک بنا بلکہ حریف کا پورا کھیت اس کے قبضہ میں آگیا۔

بجلی کا بلب جلتے جلتے بجھ جائے یا پنکھا چلتے چلتے رک جائے تو ہم بلب کو توڑ کر نہیں دیکھتے یا پنکھے سے نہیں الجھتے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ بلب بجھنے اور پنکھا بند ہونے کی وجہ بلب اور پنکھے کے اندر نہیں ان کے باہر ہے اور پھر وہاں سے فرق پڑا ہو وہاں درست کر کے اپنے بلب اور پنکھے کو دوبارہ چلا لیتے ہیں۔ انسانی معاملات بھی اکثر اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ مگر عجیب بات ہے کہ بلب اور پنکھے کے معاملہ میں جو بات آدمی کبھی نہیں بھولتا اسی بات کو انسانی معاملہ میں ہمیشہ بھول جاتا ہے۔

آدمی کی یہ عام کمزوری ہے کہ جب کبھی اس کی زندگی میں کوئی مسئلہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اسی مقام پر اپنا سر ٹکرانے لگتا ہے جہاں مسئلہ پیدا ہوا ہے۔ حالانکہ اکثر حالات میں یہ ہوتا ہے کہ مسئلہ کہیں پیدا ہوتا ہے اور اس کی وجہ کہیں ہوتی ہے۔ "حال" کا ایک واقعہ اکثر "ماضی" کے کسی واقعہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔

ایک معاملہ میں کسی کی زیادتی اکثر حالات میں کسی اور معاملہ میں پائی جانے والی ایک صورت حال کے سبب سے وقوع میں آتی ہے۔ ایسی حالت میں بہترین عقلمندی یہ ہے کہ آدمی جائے وقوع پر سر نہ ٹکرائے بلکہ اصل سبب کو معلوم کر کے بات کو وہاں بنانے کی کوشش کرے جہاں بات بگڑنے کی وجہ سے اس کے ساتھ وہ حادثہ پیش آیا ہے جس میں وہ آج اپنے کو مبتلا پاتا ہے۔

بقیہ: انداز فکر بدل ڈالو

اچھے اسکولوں کی تلاش میں ۱۲۰ افراد اگر بیس ہزار روپے چندہ دیکر ایسے اسکولوں میں داخل کرتے ہیں جہاں ان کے دو بچے ہی کامیاب ہو کر نکلیں گے باقی بھٹک جائیں گے تو انہیں کیا فائدہ ہوگا؟ لیکن یہ چار لاکھ کی رقم اگر کسی مسلم ادارے پر خرچ کر دی جاتی اور ہر سال ایسا ہی ہوتا تو پتہ نہیں کتنے ادارے وجود میں آ جاتے اور ادارے یہ اسکول ان بیس افراد کی خواہش ہی نہیں بلکہ پورے سماج کی خواہش کو پروان چڑھا سکتے تھے اب بھی وقت ہے ... اس کو بھولا نہیں کہہ سکتے۔

ع: صبح جو بھولے اور آئے شام

نوجوانوں میں اسلامی جذبہ ابھر رہا ہے وہ اپنی اپنی قدروں کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ بزرگوں کے سہارے کی ضرورت ہے کہ اس جذبہ رنگ لے آئے خدا ہم سب کی مدد فرمائے۔ (آمین)

شکوہ

دلاور فگار

ہے بجا جذبۂ ایثار میں مشہور ہیں ہم
حق محنت نہ ملے جس کو وہ مزدور ہیں ہم
فقر و فاقہ کی قسم سرمد و منصور ہیں ہم
ہو گئے پانچ مہینے کہ بدستور ہیں ہم
حاکما! شکوۂ ارباب وفا بھی سن لے
خوگر مدح سے تھوڑا سا گلا بھی سن لے

بچوں کے بگڑنے کے اسباب بقیہ صفحہ

اسے نفرت ہو جاتی ہے بڑوں کی اس حرکت سے اس میں ضد پیدا ہو جاتی ہے اور بگاڑ شروع ہو جاتا ہے۔

اسکول میں بچے مختلف خاندانوں سے آتے ہیں جن میں امیر و غریب دونوں شریک ہوتے ہیں غریب لڑکا امیر کو دیکھ کر ویسا ہی بننا چاہتا ہے اور اسی طرح کھانا چاہتا ہے لیکن والدین اس کی خواہش پوری نہیں کر پاتے جس کی وجہ سے بچہ احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے کبھی کبھی سمجھدار والدین اپنے بچوں کو نفسیاتی طور سے سمجھا دیتے ہیں تو بچہ اپنی شخصیت کو برقرار رکھتا ہے مالدار بچوں کے پاس پیسوں کی کوئی کمی نہیں رہتی وہ ان پیسوں کو خرچ کرنا چاہتے ہیں اور بعض غریب بچے انہی میں سے کسی امیر بچے کو بھانپ لیتا ہے اور اسے اپنا ساتھی بنا کر اس سے فائدہ اٹھاتا ہے اور ساتھی کو سیر و تفریح کے لئے آمادہ کرتا ہے اسکول سے بھاگنے کی خرابی اسی وقت سے شروع ہو جاتی ہے

ان حالات میں والدین کی نگرانی ہی بچوں کو خراب ہونے سے بچا سکتی ہے والدین خیال کرتے ہیں کہ کاروبار سنبھالیں یا بچوں کو دیکھیں۔ نوکری کریں یا ان کے پیچھے پیچھے پھریں یہ سوچنا نہایت خطرناک اور نقصان دہ ہوتا ہے۔ بچہ کل کا سرمایہ ہے، فیکٹری یا دکان سے زیادہ اس کی دیکھ بھال کرنی ضروری ہے

بچہ کل کا سہارا ہے۔ آپ کا مددگار
اور آپ کی دولت کا وارث اسے
خوب بڑھایئے
اور
بہتر سے بہتر اس کی تربیت کیجئے۔

غزل

زبیر ابن سیفی امروہوی

اپنے ہی فدائی کے خون کی جو پیاسی
وہ زمین تو بالکل ارض کربلا سی۔
میں بجھا بجھا کیا ہوں زرق و برق شہر
ہر طرف ہے سناٹا ہر طرف اداسی۔
آپ بھی تو یہ سوچیں کیوں کھلی زباں
یہ بجا کہ شکوہ خود جرم ناسپاسی
آج مجھ کو اپنا سا کوئی بھی نہیں ملا
اک عذاب اب مجھ کو میری خود شناسی
ان کو اپنا کہتا ہوں یہ بھی وہم ہے
کل بھی قیاسی تھا آج بھی قیاسی۔
ظلم سے نپٹنے میں ہوش کی سپہ
جرم ہی زبیر اپنا اپنی بدحواسی۔

جنتا ٹن اسٹو

میں

ہر

قسم

کا

ٹن اسکریپ ملتا ہے

جو آپ کے لئے زیادہ مفید ہے

پتہ ۱۴۵۴ صدر نالہ روڈ صدر بازار دہلی

گلشن ٹن اسٹور

میں

پی۔سی۔آر۔سی اور سی۔آر۔سی

ملتے ہیں

آپ بھی خدمت کا موقع دیجئے اور فائدہ اُٹھایئے

پتہ: گلشن ٹن اسٹور 1270 صدر نالہ روڈ صدر بازار دہلی

پندرہویں صدی کے مقاصد

پندرھویں صدی سہ ماہی کے بجائے اب ماہنامہ کی حیثیت سے آپ کے ہاتھوں میں ہے جس کا بنیادی مقصد ملک وقوم کی تعمیر اور نونہالان وطن کی تعلیم و تربیت کے اہم مسئلہ کو حل کرنے کے لئے مفید اور جدید مضامین شائع کرنا ہے جو معلومات آج کے انسان کو اس کی اپنی مصروفیت کے سبب اسکولوں کالجوں سے حاصل نہیں ہو سکتیں۔

تعلیمی سائنسی تکنیکی اور تجارتی اداروں سے رابطہ قائم کر کے باہمی دلچسپی کی خبریں شائع کرنا۔ تعلیمی تربیتی طریقہ درس و تدریس سائنسی اور ایسے مضامین شائع کرنا جن کی مدد سے طلباء کو جدید معلومات فراہم ہو سکیں اور وہ یو پی ایس سی کے تمام مقابلے کے امتحانوں میں شریک ہو سکیں۔

تمام تعلیمی اداروں خصوصاً اردو میڈیم کے اسکولوں اور کالجوں کی سرگرمیاں اور ایکٹویٹیز فوٹوز کے ساتھ منظر عام پر لانا نیز ان کے مسائل کو پیش کرنا اور ان کا حل تلاش کرنا اس کا خصوصی مقصد ہوگا

اہل قلم سے گذارش

اہل قلم سے گذارش ہے کہ وہ غیر مطبوعہ مضامین اور کلام وغیرہ اشاعت کے لئے مدیر اعلیٰ پندرھویں صدی کے نام ۱۰۵۹ راجان اسٹریٹ فراشخانہ دہلی کے پتہ پر بھیجنے کی زحمت فرمائیں۔ غیر مطبوعہ معیاری مضامین و کلام پر معاوضہ صرف سب سے اچھے مضمون یا کلام پر ہی پیش کیا جائے گا۔

تعلیمی ادارے اپنے اداروں کی ایکٹویٹیز (سرگرمیاں) ہمیں بھیجیں۔ ایکٹویٹیز کی رپورٹ کے ساتھ فوٹوز بھی بھیجیں تاکہ انھیں چھاپا جا سکے۔ ہونہار طلباء کے نام اور فوٹوز بھی بھیجیں، تعلیمی اداروں کے خاص خاص پروگراموں میں ہمارے ادارے کا نمائندہ اپنے کیمرے کے ساتھ شریک ہو کر اپنی رپورٹ شائع کرے گا۔

سوال آپ کے جواب ہمارے

س۔ دنیا کا سب سے اونچے قد کا آدمی کون ہے

ج۔ دنیا کا سب سے اونچے قد کا آدمی محمد اسلم ہے جس کا قد ۸ فٹ ۳.۱ انچ ہے محمد اسلم پاکستان کا رہنے والا ہے

(محمد نسیم بمبئی)

سوال۔ سائنس کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے بچے کو کس ذریعہ سے پڑھنا چاہیئے

جواب سائنس ہی نہیں بلکہ ہر مضمون کی تعلیم بچے کو اپنی مادری زبان میں ہی حاصل کرنی چاہیئے کیوں کہ مادری زبان کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنے سے ہر مضمون آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے اور ذہن نشین کرنے میں وقت بہت کم صرف ہوتا ہے۔

سوال آج کل یہ رجحان بڑھتا جارہا ہے کہ بچے کو انگلش میڈیم میں داخل کرایا جائے تاکہ بچپن ہی سے بچہ کی مادری زبان انگلش ہو آپ کی کیا رائے ہے؟

(انجم قریشی دہلی)

جواب اگر گھر کا ماحول انگلش میڈیم نہ ہو یعنی انگلش نہ بولی جاتی ہو ہندی یا اردو میڈیم کے بچے کو انگلش میڈیم میں داخل کرانا عقلمندی نہیں۔

سوال کس عمر میں بچے کو تعلیم حاصل کرنے کیلئے اسکول میں داخل کرنا چاہیئے۔

(عبدالجادید امروہہ)

جواب ڈھائی تین سال کی عمر کے بچے کو اسکول میں دا
چاہیئے اتنی عمر کے بچوں کیلئے سرکاری اور پرائیویٹ نرسر
کھلے ہوئے ہیں اس عمر میں بچے کو براہ راست تعلیم نہیں
بلکہ اسے پرائمری تعلیم کیلئے تیار کیا جاتا ہے کتابی دنیا میں
کرنے کیلئے اسے کھلونوں کی دنیا میں دلچسپی پیدا کی جا
اور یہیں سے بچہ کھلونوں کے ذریعہ بنیادی الفاظ۔ اور
آوازیں سیکھتا ہے۔ اور پڑھنے کیلئے راغب ہوجاتا

س۔ میں بہت دُبلا لڑکا ہوں مجھے موٹا ہونے کیلئے کیا چاہیئے۔

(سید سلیمان میرٹھی)

جواب اگر موٹے پن سے آپ کا خیال طاقتور بننے سے
تو آپ کو چاہیئے کہ متوازن غذا کا استعمال کریں جو جلد
ہضم ہوسکے زیادہ بہتر ہوگا اگر کسی ڈاکٹر یا حکیم کو دکھا
کا تعین کرالیں۔ الٹی سیدھی غذائیں کھانے سے آپ
بیمار بھی ہوسکتے ہیں۔ غذا کے علاوہ چہل قدمی معمولی
کرنا ضروری ہے۔ پوری نیند نہ سونا بھی موٹا یا طاقت
ہونے سے روکتا ہے۔

سوال۔ روشنی میں کتنے رنگ ہوتے ہیں اسے دیکھ
کیا طریقہ ہے۔

(بابو خاں شاہ جہاں پور)

جواب۔ روشنی میں سات رنگ ہوتے ہیں جو پرزم کے ذر
دیکھے جاسکتے ہیں۔ پرزم تکونے قسم کا ایک شیشہ
ہوتا ہے جو ہر لیب میں آسانی سے مل جاتا ہے

TEL. 514748 Cable : GULFEI

مزیدار قورمہ۔ لذیذ بریانی

ذائقہ دار سبزیاں اور مصالحہ جات

فنی نگرانی اور تجربہ کاری کے ساتھ تیار کر کے ڈبوں میں پیک کر کے ہندوستان

اور غیر ممالک میں بھیجی جاتی ہیں

مختلف بڑے شہروں میں ایجنسیاں لینے کے خواہشمند

مندرجہ ذیل پتہ پر رجوع کریں

MOHAMMED YUNUS & BROS.
Pvt. Ltd.

محمد یونس اینڈ برادرز M.Y.B. پرائیویٹ لمٹیڈ

(A House of Food Products)

دفتر۔ 6228۔ قریش نگر صدر بازار دہلی 110006

فیکٹری C.1 اوکھلا انڈسٹریل ایریا فیز۔ نئی دہلی۔